ماہنامہ الامداد۔ لاہور ۳ مارچ ۲۰۲۳ء

اجراء حسبِ ارشاد: شیخ الحدیث حضرت مولانا مشرف علی تھانوی قدس سرہ

مواعظ حکیم الامت اور دینی رسائل کی اشاعت کا امین

ماہنامہ الامداد لاہور پاکستان

مدیر مسئول: (مولانا) ڈاکٹر احمد میاں تھانوی

مدیر: ڈاکٹر خلیل احمد تھانوی

جلد ۲۴ | شعبان المعظم ۱۴۴۴ھ | مارچ ۲۰۲۳ء | شمارہ ۳

تقلیل الاختلاط مع الانام فی صورۃ الاعتکاف فی خیر مقام

اعتکاف کے فضائل واحکامات (قسط اول)

از افادات

حکیم الامۃ مجدد الملۃ حضرت مولانا محمد اشرف علی تھانوی قدس سرہٗ

عنوانات وحواشی: ڈاکٹر مولانا خلیل احمد تھانوی

قیمت فی پرچہ =/۵۰ روپے | زرسالانہ =/۶۰۰ روپے

ماہنامہ الامداد لاہور

35422213
35433049

پتہ دفتر: جامعہ دارالعلوم الاسلامیہ ٹرسٹ

۲۹۱۔ کامران بلاک علامہ اقبال ٹاؤن لاہور

ناشر: (مولانا) ڈاکٹر احمد میاں تھانوی

مطبع: ہاشم اینڈ حماد پریس

۱۳/۲۰ ریگن روڈ بلال گنج لاہور

مقام اشاعت

جامعہ دارالعلوم الاسلامیہ لاہور پاکستان

وعظ

تقلیل الاختلاط مع الانام فی صورۃ الاعتکاف فی خیر مقام

(اعتکاف کے فضائل واحکامات) قسط اول

بسم اللہ الرحمن الرحیم

۲۹ رمضان المبارک ۱۳۴۰ھ مسجد خانقاہ امدادیہ تھانہ بھون میں نماز جمعہ کے بعد تین گھنٹہ پینتالیس منٹ تک بیان ہوا۔ جو آپ نے کھڑے ہوکر ارشاد فرمایا۔ مولانا ظفر احمد صاحب عثمانی مرحوم نے اسے قلمبند فرمایا۔ سامعین کی تعداد تقریباً ۲۵۰ تھی۔ وعظ میں مذکور آیت پر اس سے قبل تین وعظ بیان ہوچکے ہیں۔ تقلیل طعام، تقلیل کلام، تقلیل منام، اب یہ چوتھا وعظ بنام تقلیل اختلاط مع الانام ہے۔ اللہ تعالیٰ نے رمضان المبارک میں وہ چاروں مجاہدات کروائے جو صوفیاء اصلاح نفس کے لیے ساری زندگی کرتے تھے۔ کم کھانا، کم باتیں کرنا، کم سونا، اور کم ملنا جلنا رمضان المبارک میں یہ مجاہدات اس طرح کرائے گئے روزہ سے کم کھانے کا مجاہدہ ہو تلاوت کلام پاک سے کم بولنے کا مجاہدہ ہوا اور تراویح سے کم سونے کا مجاہدہ ہوا اور اعتکاف سے کم ملنے جلنے کا مجاہدہ ہوگیا۔ اس لیے رمضان المبارک کی عبادات سے مجاہدہ نفس کرادیا گیا ان مواعظ میں حضرت نے تفصیل سے ان مجاہدات کو ذکر کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ قارئین کو استفادہ کی توفیق عطا فرمائے۔

نوٹ: یہ کافی طویل وعظ ہے اس لیے دو اقساط میں شائع کیا جائے گا۔ ان شاء اللہ العزیز

خلیل احمد تھانوی

فہرست

نمبر شمار	عنوانات	صفحہ
۱	تمہید	۷
۲	ترک مباح	۸
۳	منصب اجتہاد	۹
۴	غیر فطری مساوات	۱۲
۵	شخصی حکومت	۱۴
۶	نظام تابعیت ومتبوعیت	۱۵
۷	اسلام کا نظام حکومت	۱۷
۸	کثرۃ رائے کی حیثیت	۱۹
۹	اہل حل وعقد کی ذمہ داری	۲۰
۱۰	اسلام اور جمہوریت	۲۰
۱۱	فتوکل علی اللہ کی حکمت	۲۳
۱۲	اسباب پرستی	۲۴
۱۳	من گھڑت وجوہ	۲۵
۱۴	موحد کی بے فکری	۲۶
۱۵	موحد کا مذہب	۲۷
۱۶	عقلی تہذیب	۲۸
۱۷	تعذیب جدید	۲۹
۱۸	آج کل کے حکماء کی مثال	۲۹

۱۹..... اہل سائنس کا حال..... ۳۱
۲۰..... علماء پر اعتراض کی حقیقت..... ۳۲
۲۱..... ڈارون کا نظریہ..... ۳۲
۲۲..... وضعداری کا اسلام..... ۳۳
۲۳..... موحد کی ترقی..... ۳۴
۲۴..... اشتیاق عارف..... ۳۶
۲۵..... اتباع شریعت..... ۳۷
۲۶..... عشق کا خاصہ..... ۳۸
۲۷..... مقام محبوبیت..... ۴۰
۲۸..... منافع اختلاط..... ۴۱
۲۹..... شرائط اختلاط..... ۴۲
۳۰..... عورت کی چالاکی..... ۴۳
۳۱..... اکبر و عالمگیر کی حکومتوں کی مثال..... ۴۴
۳۲..... نیم ملا خطرہ ایمان..... ۴۵
۳۳..... قیاس بے جا..... ۴۶
۳۴..... ضرورت محقق..... ۴۷
۳۵..... اخبار الجامعہ..... ۴۸

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

خطبۂ ماثورہ

الحمد للہ نحمدہٗ و نستعینہٗ و نستغفرہٗ و نؤمن بہ و نتوکل علیہ و نعوذ باللہ من شرور انفسنا و من سیئات اعمالنا من یھدہ اللہ فلا مضل لہ و من یضللہ فلا ھادی لہ و نشھد ان لا الٰہ الا اللہ وحدہٗ لا شریك لہ و نشھد انّ سیدنا و مولانا محمدًا عبدہٗ و رسولہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ و علیٰ اٰلہ و اصحابہ و بارك وسلم **اما بعد!**

فاعوذ باللہ من الشیطن الرجیم

بسم اللہ الرحمن الرحیم

وَٱلَّذِينَ جَٰهَدُواْ فِينَا لَنَهۡدِيَنَّهُمۡ سُبُلَنَاۚ وَإِنَّ ٱللَّهَ لَمَعَ ٱلۡمُحۡسِنِينَ ﴿٦٩﴾ (۱)

تمہید

آج چوتھا جمعہ ہے کہ اسی آیت کے متعلق سلسلہ وار بیان ہو رہا ہے۔ بس آج اس کا بیان ختم کئے دیتا ہوں۔ یہ بات تو پہلے معلوم ہو چکی ہے کہ اس آیت میں مجاہدہ کا بیان ہے اور یہ بھی معلوم ہو چکا ہے کہ مجاہدہ کی دو قسمیں ہیں۔ ایک مجاہدہ حقیقیہ یعنی ارتکاب اعمال واجتناب عن المعاصی (۱)۔ دوسرے مجاہدہ حکمیہ یعنی ان مباحات کو ترک کرنا جو معاصی کی طرف مفضی (۲) ہیں۔ اور یہ بھی معلوم ہو چکا ہے کہ مجاہدہ حکمیہ کے چار ارکان ہیں (۳) جن میں سے تین ارکان کا ذکر تو ہو چکا ہے آج چوتھے رکن کا بیان ہوگا۔ یعنی تقلیل اختلاط مع الانام (۴) کا۔

(۱) ''اور جو لوگ ہماری راہ میں مشقتیں برداشت کرتے ہیں ہم ان کو (قرب وثواب اور جنت) کے راستے ضرور دکھلا دیں گے اور بے شک اللہ تعالیٰ (رضا ورغبت) ایسے خلوص کے ساتھ ہے'' سورۂ عنکبوت: ۶۹

(۱) نیک اعمال کرنا اور گناہوں سے بچنا (۲) ایسے جائز کام بھی چھوڑ دینا جو گناہ کرنے پر ابھاریں (۳) تقلیل طعام، تقلیل کلام، تقلیل منام۔ یعنی کم کھانا، کم بولنا، کم سونا (۴) لوگوں سے کم ملنا۔

ترک مباح

مجاہدہ حکمیہ کی حقیقت یہ ہے کہ بعض ایسے جائز کاموں سے بچنا جو مفضی (۱) ہوجاتے ہیں گناہوں کی طرف اس پر بعض لوگوں کو اشکال ہوتا ہے کہ یہ صوفی جائز کاموں سے بھی منع کرتے ہیں مگر ان کو حقیقت کی خبر نہیں۔ بعض دفعہ طبیب امور مفضیہ (۲) سے بھی منع کردیتا ہے گو فی نفسہ اس مفضی میں ضرر نہ ہو مگر یہ کیا ضرر تھوڑا ہے کہ وہ مضر کی طرف مفضی ہے۔ مثلاً کوئی چیز جیسے مصری تین تولہ کی مقدار میں تو مضر ہے (۳) اور ایک تولہ کی مقدار میں مضر نہیں۔ لیکن طبیب کو حق ہے کہ ایک تولہ سے بھی منع کردے کیونکہ وہ جانتا ہے کہ ایک تولہ کھا کر اس سے صبر نہ ہوگا۔ پھر یہ ڈیڑھ تولہ کھائے گا پھر دو تولہ کھائے گا یہاں تک کہ ایک دن تین تولہ تک نوبت پہنچ جائے گی۔ اور اس وقت ضرر پہنچے گا۔ اس لیے وہ پہلے ہی دن اس سے بالکل منع کردیتا ہے یا ایک مریض کے متعلق طبیب جانتا ہے کہ اس کو تھوڑی سی مقدار میں گوشت کھانا مضر نہیں اور زیادہ مضر ہے۔ مگر پھر بھی وہ اس سے یہ نہیں کہے گا کہ تم زیادہ گوشت سے پرہیز کیا کرو اور تھوڑا سا کھالیا کرو۔ بلکہ وہ یہ کہے گا کہ تم گوشت بالکل نہ کھانا۔ بس مونگ کی دال یا ہری ترکاری کھانا (۴)۔ کیونکہ وہ جانتا ہے کہ گوشت سامنے آنے کے بعد تھوڑے اور زیادہ مقدار کا لحاظ کرنا مریض سے دشوار ہے۔ اس لیے وہ قطعاً منع کردیتا ہے حالانکہ قلیل مقدار مباح (۵) تھی۔ مگر خوف افضاء (۶) کی وجہ سے اس کو بھی منع کردیا۔ اسی طرح کلام مباح۔ ونوم مباح واختلاط مباح (۷) یہ گو گناہ نہیں مگر چونکہ یہ مباحات اکثر مفضی الی الذنب (۸) ہوجاتے ہیں (جس کی تفصیل پہلے وعظ میں گزر چکی ۱۲) اس لیے صوفیہ ان سے بھی منع کرتے ہیں اور مجاہدہ کے ذریعہ سے ان کی تقلیل کراتے ہیں جیسے بعض

(۱) جو کام گناہوں کی طرف لے جانے والا ہوں (۲) حکیم ان کاموں سے بھی روکتا ہے جو بیماری کا سبب بن سکیں (۳) نقصان دہ (۴) سبزی (۵) تھوڑی مقدار میں کھانے کی اجازت تھی (۶) زیادتی کے خوف سے (۷) جائز حد تک باتیں کرنا ایک حد تک سونا اور ایک حد تک میل ملاقات (۸) مگر ان جائز کاموں میں مبتلا ہونے سے گناہ تک پہنچ جاتا ہے۔

مسکرات میں (جیسے افیون) قدر قلیل غیر مسکر کو حرام نہیں مگر چونکہ مقدار قلیل مفضی الی القدر المسکر (۱) ہوجاتی ہے۔ اس لیے قلیل سے بھی منع کیا جاتا ہے۔ فقہاء وصوفیہ نے اس قاعدہ کا بہت لحاظ کیا ہے کہ جو مباح ومستحب مفضی الی المعصیت (۲) ہوجائے۔ وہ بھی ممنوع ہے۔

بعض لوگ فقہاء پر اعتراض کرتے ہیں کہ انہوں نے بعض مباحات کو بھی حرام کردیا مگر وہ اس راز سے بے خبر ہیں۔ حقیقت میں فقہاء نے مباح (۳) کو حرام نہیں کیا بلکہ مقدمہ حرام کو حرام کہا ہے۔ اور عقلاً یہ قاعدہ مسلم ہے کہ مقدمہ واجب کا واجب اور مقدمہ حرام کا حرام ہے (۴)۔ تو وہ مباح جس سے فقہاء منع کرتے ہیں مقدمہ حرام ہونے کی حیثیت سے مباح کی فرد ہی نہیں رہا۔ بلکہ اس حیثیت کے لحاظ سے وہ حرام کی فرد بن گیا (۵)۔ اور اختلاف حیثیات (۶) سے احکام کا اختلاف ہمیشہ ہوا کرتا ہے۔ بہت چیزیں ایسی ہیں کہ ایک حیثیت سے حسن اور دوسری حیثیت سے قبیح ہیں (۷)۔ نماز کے حسن میں کس کو کلام ہوسکتا ہے۔ مگر پاخانہ کا تقاضا ہو تو اس وقت نماز مکروہ ہے۔ اب اگر کوئی اعتراض کرنے لگے کہ صاحب نماز کو قبیح کہہ دیا۔ تو یہ اس کی حماقت ہے نماز تو فی نفسہا (۸) حسن ہی ہے مگر اس وقت ایک عارض کی وجہ سے اس میں قبح (۹) آگیا ہے۔ وہ یہ کہ تقاضائے حاجت کے وقت نماز میں اطمینان نہ ہوگا اسی طرح ممکن ہے کہ ایک فعل فی نفسہ مباح (۱۰) ہو مگر دوسری حیثیت سے اس میں قبح آجائے اور وہ حیثیت افضاء الی المعصیت (۱۱) کی ہے پس اب نہ فقہا پر اعتراض رہا نہ صوفیا پر۔

منصب اجتہاد

لیکن اس جگہ میں اس پر متنبہ کئے دیتا ہوں کہ کسی مباح کو کسی مصلحت یا مفسدہ کی وجہ سے ناجائز وحرام کہنے میں ہر کس وناکس کا اجتہاد معتبر نہیں بلکہ اس کو محقق

(۱) تھوڑی کے اجازت دینے سے اتنی کھانا شروع کرے گا جو نشہ کا باعث ہوگی اس نے منع کیا (۲) گناہ تک پہنچانے (۳) جائز کام (۴) واجب کا مقدمہ واجب حرام کا حرام ہوتا ہے (۵) قسم (۶) حیثیت بدلنے سے حکم بدل جاتا ہے (۷) بری (۸) اپنی ذات کے اعتبار سے اچھی ہے (۹) برائی (۱۰) جائز (۱۱) گناہ تک پہنچانے والی۔

حکیم ہی سمجھ سکتا ہے کہ کون سا مفسدہ قابل اعتبار ہے جس کی وجہ سے فعل مستحب کو ترک کردینا چاہیے اور کون سا مفسدہ قابل اعتبار نہیں۔ حضرت مولانا محمد قاسم صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ گو یہ قاعدہ شرعی ہے کہ جس مباح ومستحب میں احتمال مفسدہ ہو اس مباح ومستحب کو ترک کردینا چاہیے۔ مگر اس کا فیصلہ کرنا کہ کون سا مفسدہ قابل اعتبار ہے اور کون سا قابل اعتبار نہیں یہ ہر شخص کا کام نہیں بلکہ اس کا فیصلہ بھی شارع (۱) ہی کرسکتا ہے یا وہ شخص جو کلام شارع کو اچھی طرح سمجھ سکتا ہو۔

چنانچہ شریعت میں اس کی دو نظیریں موجود ہیں کہ دونوں جگہ بعض خاص افعال میں مفسدہ (۲) کا احتمال تھا مگر حق تعالیٰ نے ایک جگہ تو مفسدہ کا اعتبار کیا اور دوسری جگہ اعتبار نہیں کیا۔ ان میں سے ایک تو واقعۂ حطیم ہے کہ قریش نے تنگیٔ خرچ کی وجہ سے حطیم کو بیت اللہ سے خارج کردیا تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو بیت اللہ میں داخل کرنے کا ارادہ کیا مگر اس خیال سے ملتوی کردیا کہ اہل مکہ ابھی ابھی اسلام لائے ہیں اگر میں نے کعبہ کو منہدم (۳) کیا تو ان کو یہ خیال پیدا ہوگا کہ یہ کیسے نبی ہیں جو کعبہ کو منہدم کرکے اس کی بے حرمتی کرتے ہیں۔ تو ان کے اسلام میں ضعف پیدا ہوگا حق تعالیٰ نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس خیال کی تقریر فرمائی اور مفسدہ کی وجہ سے ترک مستحب کو گوارا فرمایا۔

دوسرا واقعہ حضرت زینبؓ کے نکاح کا ہے۔ جب حضرت زید بن حارثہؓ نے ان کو طلاق دے دی تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ خیال ہوا کہ زینب اور ان کے اولیاء کی دل جوئی کی اب صرف یہی ایک صورت ہے کہ میں ان سے نکاح کرلوں۔ مگر آپ اس خیال سے رکتے تھے کہ زید بن حارثہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے متبنیٰ (۴) تھے۔ اور اس وقت متبنیٰ کو مثل اپنی اولاد کے سمجھا جاتا تھا۔ اگر میں نے زینبؓ (۵) سے نکاح کیا تو جہلاء مشرکین

(۱) صاحب شریعت یا جو اس کے کلام کو سمجھتا ہو (۲) خرابی (۳) گرایا (۴) منہ بولے بیٹے (۵) قلت وفی قصۃ زینب ھذہ اشکال قد یختلج فی بعض الاذھان ارید اذاھتہ بما افاض اللہ علینا من برکات الشیخ ادام اللہ مجدہ، تقریر الاشکال ان اللہ تعالیٰ قال فی حقہ علیہ الصلوۃ والسلام و تخفی فی نفسك ما اللہ مبدیہ و تخشی الناس واللہ احق ان تخشاہ اثبت فیہ خشیۃ الناس فی حقہ صلی اللہ علیہ وسلم ثم قال فی حق غیرہ من الانبیاء والرسل (بقیہ حاشیہ اگلے صفحے)۔

ومنافقین طعن کریں گے کہ بیٹے کی بہو سے نکاح کرلیا اور اس طعن کی وجہ سے بہت لوگ اسلام سے رک جائیں گے۔ اور ممکن ہے کہ بعض ضعفاء اسلام ہی سے مرتد ہو جائیں تو دیکھئے نکاح زینبؓ میں بھی اسی مفسدہ کا احتمال تھا جس کا قصہ حطیم میں احتمال تھا۔ مگر حق تعالیٰ نے یہاں مفسدہ کی پرواہ نہیں کی اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم دیا کہ آپ زینبؓ سے نکاح کرلیں اور طعن منافقین کی پروا نہ کریں۔ بلکہ خود ہی نکاح بھی کردیا اور آیت میں زوجنکھا نازل ہوا کہ ہم نے آپ کا نکاح زینبؓ سے کردیا ان دونوں

(بقیہ حاشیہ پچھلے صفحے کی) الذین یبلغون رسالات اللّٰہ ویخشونہ ولا یخشون احداً الا اللّٰہ، اظہر فیہ ان رسل اللّٰہ کانوا لا یخشون احداً غیر اللّٰہ وھذا یقتضی بظاھرہ فضیلۃ سائر الانبیاء علیہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم فی ھذا الوصف بعینہ واحباب عنہ الشیخ بما نصہ ان معنی الآیۃ انک یا محمد انما تخشی الناس فی ھذا الامر لعدم علمک بان ھذا النکاح من قبیل تبلیغ الرسالۃ عملاً ولو علمت ذلک لم تخش احداً فان اللّٰہ احق ان تخشاہ فی ترک التبلیغ ولو علمت کونہ من التبلیغ لفعلت کما کان الرسل تفعلہ من انھم کانوا یبلغون رسالات اللّٰہ یخشونہ ولا یخشون احداً الا اللّٰہ، فاندفع الاشکال رأساً واساساً کان صلی اللّٰہ علیہ وسلم کسائر الانبیاء بعد علمہ بکون ھذا النکاح من تبلیغ رسالات اللّٰہ عملاً فبادر الی النکاح ولم یخش احداً الا اللّٰہ وانما خشی عن الناس وطعنھم فی الدین مالم یعلم کونہ من تبلیغ الرسالات واما بعد ذلک فلا یخشی فلم یثبت من الآیۃ خشیۃ صلی اللّٰہ علیہ وسلم عن الناس فی تبلیغ الاحکام حتی یلزم فضیلۃ سائر الانبیاء علیہ بل غایۃ ماثبت انہ کان یخشی الناس قبل علمہ بکون ذلک من جملۃ التبلیغ وبعد علمہ بہ کان کسائر الرسل ۱۲ جامع۔ (علامہ ظفر احمد عثمانی قدس سرہ صاحب اعلاء السنن جنہوں نے یہ وعظ ضبط کیا ہے ایک اشکال نقل کرکے جواب دیتے ہیں جس کا خلاصہ یہ ہے کہ لوگوں کے اعتراض کے خوف سے آپ نے زینبؓ سے نکاح کے خیال کو ظاہر نہیں کیا جبکہ دیگر انبیاء تبلیغ میں لوگوں کے اعتراض کی پرواہ نہیں کرتے تھے جیسا کہ قرآن کریم کی آیات سے سمجھ میں آتا ہے اس طرح آپ پر دیگر انبیاء کی فضیلت ثابت ہوتی ہے اس کا جواب حضرت تھانویؒ نے یہ دیا کہ جب تک آپ کو یہ معلوم نہیں تھا کہ حضرت زینبؓ سے نکاح کرنا تبلیغ دین ہی کا شعبہ ہے تو خائف تھے لیکن جب معلوم ہوا کہ یہ نکاح کرنا عملاً تبلیغ ہے تو وہ خوف رفع ہوگیا پس فضیلت کا اشکال رفع ہوگیا۔ معلوم ہونے کے بعد آپ نے نکاح کیا اور لوگوں کے اعتراض کی پرواہ نہیں کی پس یہ اعتراض کہ تبلیغ میں آپ لوگوں سے ڈرتے تھے رفع ہوگیا اس صفت میں آپ بھی دیگر انبیاء ہی کی طرح تھے) ۱۲ خ

واقعوں سے معلوم ہوگیا کہ ہر مفسدہ قابل اعتبار نہیں اور ہر مصلحت قابل تحصیل نہیں۔ پس کسی مصلحت کے فوت ہونے یا کسی مفسدہ کے پیدا ہونے کے احتمال سے مباح و مستحب کو ناجائز کہنے کا ہر کسی کا حق نہیں بلکہ یہ منصب خاص حضرات مجتہدین کا ہے۔ اس میں ہر شخص کا اجتہاد معتبر نہیں کیونکہ اجتہاد کے بعض اسباب مکتسب (۱) ہیں۔ اور بعض اسباب موہوب (۲) ہیں ذوق صحیح اور فہم سلیم کسی کی سعی سے حاصل نہیں ہوسکتی۔ بس جن کو خدا نے یہ دولت عطا کردی ہے وہی دین میں اجتہاد کا حق رکھتے ہیں۔

غیر فطری مساوات

ہر شخص دین میں مجتہد نہیں ہوسکتا۔ جیسے قوانین سلطنت میں ہر کسی کی رائے نہیں لی جاتی نہ ہر شخص کو رائے دینے کا حق ہے۔ اور جیسے طبیب کے سوا دوسرے کی رائے علاج و پرہیز میں معتبر نہیں نظام عالم اسی طرح قائم رہ سکتا ہے کہ ہر شخص کی رائے کا اعتبار نہ کیا جائے۔ اگر ہر اک کی رائے معتبر ہو تو تابعیت و متبوعیت (۳) زائل ہوجائے گی۔ سب مساوات کا دعویٰ کریں گے حالانکہ نظام عالم اس پر قائم ہے کہ بعض تابع ہوں اور بعض متبوع (۴) ہوں۔ آپ اپنے گھر میں افسر ہیں۔ یہ افسریت اسی وقت تک باقی ہے جب تک بیوی اور نوکر چاکر حشم خدم آپ کی رائے اور حکم کا اتباع کریں اور اگر آپ کی اولاد اور حشم خدم یا بیوی جو بعض وجوہ سے ہمسر (۵) بھی ہے آپ کی رائے میں مزاحمت کرنے لگے تو آپ کو ہرگز گوارا نہ ہوگا اور اگر آپ اس کو گوارا کرلیں تو پھر نہ وہ تابع رہیں گے نہ آپ متبوع۔ پھر گھر میں روز جوتی پیزار (۶) ہوا کرے گی۔ آپ کی کچھ رائے ہوگی اور اولاد کی کچھ رائے ہوگی۔ نوکر کچھ چاہے گا بیوی کچھ چاہے گی۔ اور سب کی رائے معتبر ہے تو بتلایئے گھر کا انتظام کیونکر ہوگا۔ آخر کس کی رائے کے موافق

(۱) اپنے اختیار سے (۲) اللہ کی عطاء سے (۳) کون کس کا اتباع کرے گا یہ معلوم ہی نہ ہوگا (۴) بعض پیروی کرنے والے ہوں اور بعض ایسے ہوں جن کی پیروی کی جائے (۵) برابری کا درجہ بھی رکھتی ہے (۶) لڑائی ہوگی۔

عمل ہوگا۔ اگر سب کی رائے پر عمل ہوا تو ذرا کر کے دیکھ لیجئے کہ اس طرح کتنے دن نباہ ہوسکتا ہے۔ اور یہ تو احتمال عقلی پر گفتگو ہورہی ہے ورنہ واقعہ یہ ہے کہ جس دن نوکر یا اولاد وغیرہ آپ کی رائے میں مزاحمت کریں گے اسی دن آپ کان پکڑ کر گھر سے نکال دیں گے۔ آخر یہ کیوں؟ محض اس لیے کہ نظام عالم تابعیت ومتبوعیت (۷) کو چاہتا ہے۔ اسی لیے متبوع کو تابع کی مساوات گوارا نہیں۔ اسی وجہ سے سلطنت کی ضرورت ہے تا کہ ایک تابع ہو ایک متبوع ہو سب کے سب آزاد نہ ہوں۔ بلکہ متبوع کے سامنے تابع کی آزادی سلب ہوجائے یہ حقیقت ہے سلطنت کی اگر سلطنت نہ ہو تو ہر شخص آزاد ہوگا اور آزادی مطلق انتظام کے لیے ہرگز کافی نہیں اور نہ کسی نے آج تک اس کو گوارا کیا۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ سلطنت کوئی چیز نہیں چنانچہ آج کل ایک فرقہ نکلا ہے جو سلطنت کا مخالف ہے مگر میں نہیں سمجھتا کہ بدوں سلطنت کے انتظام اور نزاعات کا فیصلہ کیونکر ہوگا اگر کہو کہ کثرت رائے سے فیصلہ ہوگا تو میں کہتا ہوں کہ جن کثیرین کی رائے پر فیصلہ ہوگا وہی سلطنت کے مصداق ہوگئے کیونکہ ان کے سامنے دوسروں کی آزادی سلب ہوگئی اور یہی حقیقت ہے سلطنت کی کہ بعض کی آزادی بعض کی رائے کے سامنے سلب (۱) ہوجائے کثرت رائے پر فیصلہ ہونے کے بعد بھی آزادی مطلق کہاں رہی۔ اس فیصلہ کی پابندی سے بھی تو آزادی سلب ہوگی تو یہ لوگ جس چیز کو مٹاتے ہیں اخیر میں اس کو ثابت کرتے ہیں خدا تعالیٰ نے بھی آزادی مطلق کو گوارا نہیں کیا۔ بلکہ ایک کو تابع ایک کو متبوع بنایا ہے۔ چنانچہ حق تعالیٰ نے اپنے احکام نبی کے واسطہ سے بھیجے ہیں اور تمام مخلوق پر نبی کا اتباع (۲) فرض کیا ہے تا کہ مخلوق کو کسی ایک کا تابع کیا جائے ورنہ بہت سہل تھا کہ انبیاء کو نہ بھیجتے بلکہ آسمان سے چھپے ہوئے کاغذ ہر ایک کے پاس آ گرا کرتے اور ہر شخص اس کو پڑھ کر کام کرتا۔ نہ نبی کا اتباع ضروری ہوتا نہ خلیفہ کا نہ علماء ومجتہدین کا۔

---

(۷) دنیا کے نظام قائم رہنے کا یہی طریقہ کہ کچھ لوگ اتباع کریں اور کچھ کا اتباع کیا جائے (۱) ختم ہوگئی (۲) پیروی۔

شخصی حکومت

شاید کوئی کہے کہ خدا تعالیٰ کے یہاں پریس کہاں۔ میں کہتا ہوں کہ جب تم نے پریس ایجاد کر لیے ہیں تو خدا تعالیٰ کو پریس بنالینا کیا مشکل ہے بلکہ تم جو کچھ ایجاد کرتے ہو یہ عقل سے ایجاد کرتے ہو اور عقل خدا کی دی ہوئی ہے۔ تو یہ ایجاد بھی حقیقت میں خدا تعالیٰ کی ایجاد ہے تمہارا تو محض نام ہی نام ہے۔ اس لیے یہ شبہ محض لغو(۳) ہے دوسرے میں دعویٰ کرتا ہوں کہ حق تعالیٰ کے یہاں اس وقت بھی پریس موجود ہیں کیونکہ کاتبین اعمال کا لکھا ہوا قیامت تک نہ مٹے گا۔ ایسی سیاہی اور ایسا کاغذ تو کسی پریس کو بھی نصیب نہیں جو قیامت تک باقی رہے تو پھر جو کاتبین اعمال آپ کے کاموں کو ایسی سیاہی سے روزانہ لکھتے ہیں وہی اگر احکام کو لکھ کر ہر شخص کے پاس ڈال دیا کریں تو کیا مشکل ہے مگر حق تعالیٰ نے ایسا نہیں کیا بلکہ احکام کو نبی پر نازل کیا۔ اور مخلوق کو نبی کا تابع کیا تا کہ آزادی سلب ہو جائے جو لوگ جمہوری سلطنت کے حامی ہیں اور حریت و مساوات کے مدعی ہیں وہ بھی آزادی کا عام ہونا گوارا نہیں کرتے۔ کیونکہ جمہوری سلطنت کے بعد وہ کوئی قانون ہوگا جس کی پابندی عام رعایا پر لازم ہوگی تو اس قانون کے سامنے سب کی آزسدی سلب ہو جائے گی۔ ہم تو آزادی کا دعویٰ جب جانیں کہ کسی شخص کو بھی قانون کا پابند نہ کیا جائے بلکہ جس کے جو جی میں آئے کرنے دیا جائے کسی سے کچھ مزاحمت نہ کی جائے کیونکہ تم آزادی کے حامی ہو تو آزادی تو اسی کا نام ہے کہ کوئی کسی بات کا پابند نہ ہو۔ پھر تم لوگوں کو قانون کا پابند کیوں بناتے ہو اور ان کی آزادی کو قانون کا تابع کیوں بنایا کرتے ہو۔ یا کم از کم یہی کرو کہ قانون بنانے میں ساری رعایا کی رائے لے لیا کرو قانون سازی کے لیے پارلیمنٹ کی مختصر جماعت کو کیوں خاص کر رکھا ہے اور تمام رعایا کو چند آدمیوں کی رائے کا تابع کیوں بنا رکھا ہے حقیقت یہ ہے کہ جو لوگ جمہوری سلطنت کے حامی ہیں وہ بھی شخصیت ہی کے حامی ہیں مگر ہر شخص کبھی حقیقی ہوتا ہے بھی

(۳) بالکل بیکار۔

حکمی۔ فلسفہ کا مسئلہ ہے کہ مجموعہ بھی شخص واحد حکمی ہے حقیقی نہیں تو یہ لوگ جس پارلیمنٹ کے فیصلوں کا اتباع کرتے ہیں اس میں گو بظاہر بہت سے آدمی معلوم ہوتے ہیں مگر مجموعہ مل کر پھر شخص واحد ہے کیونکہ جو قانون پاس ہوتا ہے وہ سب کی رائے سے مل کر پاس ہوتا ہے پارلیمنٹ میں بھی ہر شخص آزاد نہیں کہ جو شخص جو رائے دیدے وہی قانون ہوجایا کرے اگر ایسا بھی ہوتا جب بھی کسی قدر آزادی کا دعویٰ صحیح ہوتا مگر وہاں تو پارلیمنٹ کے بھی ہر شخص کی انفرادی رائے معتبر نہیں بلکہ اجتماعی رائے معتبر ہے اور اجتماعی رائے پھر شخصی رائے ہے کیونکہ مجموعہ مل کر واحد حکمی ہوجاتا ہے۔ خلاصہ یہ ہوا کہ ہم شخص واحد حقیقی کے حامی ہیں اور تم شخص واحد حکمی کے حامی ہو جمہوریت کے حامی تو تم بھی نہ رہے۔ جمہوریت اور آزادی کامل تو جب ہوتی جب ہر شخص اپنے فعل میں آزاد ہوتا کوئی کسی کا تابع نہ ہوتا نہ ایک بادشاہ کا نہ پارلیمنٹ کے دس ممبروں کا اور یہ کیا آزادی ہے کہ تم نے لاکھوں کروڑوں آدمیوں کو پارلیمنٹ کے دس ممبروں کی رائے کا تابع بنادیا۔ ہم تو ایک ہی کا غلام بناتے تھے تم نے دس کا غلام بنادیا اب تم ہی فیصلہ کرلو کہ ایک کا غلام ہونا اچھا ہے یا دس بیس کا غلام ہونا۔ ظاہر ہے کہ جس شخص پر ایک کی حکومت ہو وہ اس سے بہتر ہے جس پر دس بیس کی حکومت ہو۔ یہ حاصل ہے جمہوری سلطنت کا۔ رعایا کی غلامی ہے تو اس کو بھی انکار نہیں مگر وہ یہ کہتی ہے کہ تم دس بیس کی غلامی کرو۔ اور ہم یہ کہتے ہیں کہ صرف ایک کی غلامی کرو۔

نظام تابعیت ومتبوعیت

شریعت میں یہ خاص بات ہے کہ اس کے دعاوی(۱) کہیں نہیں ٹوٹتے۔ شریعت نے آزادی کا ایسے زور سے دعویٰ ہی نہیں کیا جو اس پر نقص(۲) وارد ہو اور جو لوگ آزادی کا دم بھرتے ہیں کسی وقت ان کو اپنے دعویٰ سے ہٹنا پڑتا ہے۔ آخر کیوں ہٹتے ہو اگر کوئی شخص پارلیمنٹ کے فیصلہ کو نہ مانے تو اس کو مجبور کیوں کرتے ہو اسے پارلیمنٹ کا

(۱) اس کے دعوے (۲) جو ٹوٹے۔

غلام کیوں بناتے ہو آزاد کیوں نہیں رہنے دیتے۔ مگر کیونکر آزاد رہنے دیں۔ نظام عالم بدوں اس کے قائم نہیں ہوسکتا۔ کہ مخلوق میں بعض تابع ہوں۔ بعض متبوع ہوں۔ آزادی مطلق سے فساد برپا ہوتے ہیں اس لیے یہاں آکر ان کو اپنے دعویٰ آزادی سے ہٹنا پڑتا ہے۔ اور شریعت کو کبھی اپنے دعویٰ سے ہٹنا نہیں پڑتا۔ کیونکہ وہ تو پہلے ہی سے تابعیت ومتبوعیت کی حامی ہے وہ تو آزادی کا سبق سکھاتی ہی نہیں۔ اول ہی دن سے نبی کے اتباع کا حکم دیتی ہے جس سے تمام مخلوق کو ایک کا تابع کر دیا بلکہ اگر کسی وقت خدا تعالیٰ نے ایک زمانہ میں دو نبی بھی ایک قوم کی طرف ارسال کئے ہیں تو ان میں بھی ایک تابع تھے دوسرے متبوع تھے چنانچہ حضرت موسیٰ وحضرت ہارون علیہما السلام ایک زمانہ میں دو نبی تھے۔ جو بنی اسرائیل وقوم قبط کی طرف مبعوث ہوئے تھے مگر ان میں حضرت موسیٰ علیہ السلام متبوع تھے حضرت ہارون علیہ السلام تابع تھے۔ دونوں برابر درجہ میں نہ تھے۔ اور یہ تابعیت محض ضابطہ کی تابعیت نہ تھی بلکہ واقعی تابعیت تھی کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام ہارون علیہ السلام پر پوری حکومت رکھتے تھے۔ وہ ان کی مخالفت نہ کر سکتے تھے۔ چنانچہ حق تعالیٰ نے ایک واقعہ ایسا پیدا کر دیا جس سے اس حقیقت کا ظہور ہوگیا جب موسیٰ علیہ السلام تورات لینے کے لیے کوہ طور پر تشریف لے گئے تو ہارون علیہ السلام کو اپنا خلیفہ بنا کر چھوڑ گئے تھے کہ میرے پیچھے بنی اسرائیل کا خیال رکھنا اور ان کی اصلاح کرتے رہنا۔ یہاں پیچھے یہ قصہ ہوا کہ سامری نے ایک سونے کا بچھڑا بنایا اور اس میں قدم جبرئیل کی (۲) مٹی ڈال دی جس سے اس میں حیات پیدا ہوگئی۔ فَقَالُوْا هٰذَآ اِلٰهُكُمْ وَاِلٰهُ مُوْسٰى فَنَسِيَ جاہل لوگ کہنے لگے کہ ہمارا اور موسیٰ علیہ السلام کا خدا تو یہ ہے۔ وہ بھول کر نہ معلوم کہاں چلے گئے۔ بس بیوقوف لگے اس کی عبادت کرنے۔ موسیٰ علیہ السلام کو حق تعالیٰ نے اس واقعہ کی اطلاع دی۔ وہ غصے میں بھرے ہوئے تشریف لائے۔ اور قوم کی حالت دیکھ کر افسوس ہوا۔ اس وقت انہوں نے ہارون علیہ السلام

(۱) جس جگہ حضرت جبرئیل نے قدم رکھا تھا وہاں حیات کے آثار پیدا ہوتے تھے اس نے وہ مٹی اس سونے میں ملا کر بچھڑا بنا دیا۔

سے فرمایا کہ جب یہ کمبخت گمراہ ہو گئے تھے تو تم یہاں کیوں رہے میرے پاس باقی ماندہ جماعت کو لے کر کیوں نہ چلے آئے اور غصہ میں ان کا سر اور داڑھی پکڑ کر کھینچنے لگے۔ قَالَ يَبْنَؤُمَّ لَا تَأْخُذْ بِلِحْيَتِي وَلَا بِرَأْسِيٓ ہارون علیہ السلام نے کہا اے بھائی میری داڑھی اور سر کو نہ پکڑو۔ میری بات سنو۔ مجھے یہ اندیشہ ہوا کہ اگر میں ان کو چھوڑ کر چل دوں گا تو آپ یہ نہ کہیں کہ تو نے وہاں رہ کر ان کو سمجھایا کیوں نہیں۔ ان کی اصلاح کیوں نہ کی۔ اس لیے میں یہیں رہ کر ان کو سمجھاتا رہا۔ حالانکہ ہارون علیہ السلام عمر میں موسیٰ علیہ السلام سے بڑے تھے مگر نبوت میں ان کے تابع تھے۔ اس لیے موسیٰ علیہ السلام نے بے تکلف اپنی متبوعیت اور ان کی تابعیت کے مقتضاء پر عمل کیا۔ اور وہ برتاؤ کیا جو حاکم محکوم کے ساتھ کیا کرتا ہے۔ آج ایک سب انسپکٹر باوجود یہ کہ انسپکٹر کا تابع اور ماتحت ہوتا ہے مگر انسپکٹر اپنے ماتحت کے ساتھ ایسا کر کے تو دیکھیں معلوم ہوا کہ ہارون علیہ السلام کی تابعیت محض ضابطہ کی نہ تھی بلکہ واقعی تابعیت تھی جس کا اس واقعہ سے ظہور ہو گیا اور لوگوں کو معلوم ہو گیا کہ ان دونوں رسولوں میں ایک تابع ہیں ایک متبوع ہیں دونوں یکساں مرتبہ میں نہیں ہیں۔ اس واقعہ سے بعض لوگوں کو تعجب ہوتا ہوگا کہ موسیٰ علیہ السلام کے اس فعل میں کیا حکمت تھی۔ لیجئے ایک حکمت تو میرے قلب پر اسی وقت آ گئی کہ حق تعالیٰ کو ان کی متبوعیت و تابعیت کا ظاہر کرنا تھا اس لیے موسیٰ علیہ السلام کو غصہ سے ایسا بے تاب کر دیا کہ جس سے انہوں نے اپنی حکومت و متبوعیت کے مقتضا پر بے تکلف عمل کیا اور نہ معلوم کتنی حکمتیں ہوں گی۔

اسلام کا نظام حکومت

غرض اسلام میں جمہوری سلطنت کوئی چیز نہیں۔ اسلام میں محض شخصی حکومت کی تعلیم ہے اور جن مفاسد کی وجہ سے جمہوری سلطنت قائم کی گئی ہے وہ سلطنت شخصی میں تو محتمل ہی ہیں اور جمہوری میں متیقن ہیں (۱)۔ شخصی سلطنت میں یہ خرابی بیان کی جاتی

(۱) یقینی ہیں۔

ہے کہ اس میں ایک شخص کی رائے پر سارا انتظام چھوڑ دیا جاتا ہے کہ وہ جو چاہے کرے حالانکہ ممکن ہے کسی وقت اس کی رائے غلط ہو اس لیے ایک شخص کی رائے پر سارا انتظام نہ چھوڑنا چاہیے۔ بلکہ ایک جماعت کی رائے سے کام ہونا چاہیے۔ میں کہتا ہوں کہ جس طرح شخصی سلطنت کے بادشاہ کی رائے میں کبھی غلطی کا احتمال ہے اسی طرح جماعت کی رائے میں بھی غلطی کا احتمال ہے کیونکہ یہ ضرور نہیں کہ ایک شخص کی رائے ہمیشہ غلط ہوا کرے اور دس کی رائے ہمیشہ صحیح ہوا کرے بلکہ ایسا بھی بکثرت ہوتا ہے کہ بعض دفعہ ایک شخص کا ذہن وہاں پہنچتا ہے جہاں ہزاروں آدمیوں کا ذہن نہیں پہنچتا۔ ایجادات عالم میں رات دن اس کا مشاہدہ ہوتا ہے کیونکہ جتنی ایجادات ہیں وہ اکثر ایک ایک شخص کی عقل کا نتیجہ ہیں۔ کسی نے کچھ سمجھا کسی نے کچھ سمجھا۔ ایک نے تار برقی کو ایجاد کیا ایک نے ریل کو ایجاد کیا تو موجد اکثر ایک شخص ہوتا ہے اور اس کا ذہن وہاں پہنچتا ہے جہاں صدہا ہزارہا مخلوق کا ذہن نہیں پہنچتا علوم میں بھی یہ امر مشاہد ہے کہ بعض دفعہ ایک شخص کسی مضمون کو اس طرح صحیح حل کرتا ہے کہ تمام شراح و محشین (۱) کی تقریریں اس کے سامنے غلط ہوجاتی ہیں تو جماعت کی رائے کا غلط ہونا بھی محتمل ہے اب بتلایئے اگر کسی وقت بادشاہ کی رائے صحیح ہوئی اور پارلیمنٹ کی رائے غلط ہوئی تو عمل کس پر ہوگا۔

جمہوری سلطنت میں کثرت رائے پر فیصلہ ہوتا ہے تو بادشاہ اپنی رائے پر عمل نہیں کرسکتا۔ بلکہ کثرت رائے سے مغلوب ہوکر غلط رائے کی موافقت پر مجبور ہوتا ہے اور شخصی سلطنت میں بادشاہ اپنی رائے پر ہر وقت عمل کرسکتا ہے وہ کسی سے مغلوب نہیں ہوتا اگر وزراء کی رائے صحیح معلوم ہوئی اس پر عمل کرلیتا ہے اگر وزراء کی رائے غلط معلوم ہوئی تو وہ اپنی صحیح رائے پر عمل کرسکتا ہے۔ اور جمہوری میں اگر کثرت رائے غلطی پر ہوئی تو صحیح رائے پر عمل کرنے کی کوئی بھی صورت نہیں سب مجبور ہیں غلط رائے کی موافقت پر۔

(۱) سب شرح کرنے اور حاشیہ لکھنے والوں کی تقریریں۔

کثرۃ رائے کی حیثیت

اور یہ کتنا بڑا ظلم ہے اس لیے یہ قاعدہ ہی غلط ہے کہ کثرت رائے پر فیصلہ کیا جائے۔ بلکہ قاعدہ یہ ہونا چاہیے کہ صحیح رائے پر عمل کیا جائے خواہ وہ ایک ہی شخص کی رائے ہو۔ مولانا محمد حسین صاحب الہ آبادی نے سید احمد خاں سے کہا تھا کہ آپ لوگ جو کثرت رائے پر فیصلہ کرتے ہیں اس کا حاصل یہ ہے کہ حماقت کی رائے پر فیصلہ کرتے ہیں کیونکہ قانون فطرت یہ ہے کہ دنیا میں عقلاء کم ہیں اور بیوقوف زیادہ تو اس قاعدہ کی بناء پر کثرت رائے کا فیصلہ بیوقوفی کا فیصلہ ہوگا۔ سید احمد خاں نے جواب دیا کہ دنیا میں جو عقلاء کی قلت اور بیوقوفوں کی کثرت ہے یہ اس صورت میں ہے جبکہ بہت سے آدمیوں کو کیفما اتفق جمع کرلیا جائے تو ان میں واقعی بیوقوف زیادہ ہوں گے۔ لیکن ہم جن لوگوں کی کثرت رائے پر فیصلہ کرتے ہیں وہ کیفما اتفق جمع نہیں کئے جاتے بلکہ انتخاب کر کے خاص خاص آدمیوں کی کمیٹی بنائی جاتی ہے جس میں سب عقلاء ہی ہوتے ہیں۔ تو ان میں جس طرف کثرت ہوگی وہ بیوقوفوں کی کثرت نہ ہوگی۔ بلکہ عقلاء کی کثرت ہوگی۔ مولانا نے جواب دیا کہ بہت اچھا۔ لیکن عقلاء میں بھی قانون فطرت یہ ہے کہ کامل العقل تھوڑے ہیں اور ناقص العقل زیادہ۔ چنانچہ تجربہ کرلیا جائے کہ ہزار عاقلوں میں کامل العقل ایک ہی یا دو ہوتے ہیں۔ تو عقلاء میں بھی کثرت انہی لوگوں کی ہے جو ناقص العقل ہیں پس کثرت رائے پر فیصلہ اگر حماقت کا فیصلہ نہیں تو کم عقلی کا فیصلہ تو ضرور ہی ہوگا۔ سید احمد خان کے پاس اس کا کوئی جواب نہ تھا بالکل ہی خاموش ہوگئے۔ غرض صحیح رائے پر عمل کرنا بدون شخصی حکومت کے ممکن نہیں جمہوری میں تو کثرت رائے کا اتباع لازم ہے خواہ وہ غلط ہو یا صحیح بلکہ مولانا محمد حسین صاحب کے قول کے موافق کثرت رائے اکثر غلط ہی ہوگی۔ تو گویا جمہوری میں اکثر غلط رائے پر عمل ہوتا ہے اور ظاہر ہے کہ جب تک صحیح رائے پر عمل نہ ہوگا اس وقت تک انتظام درست نہیں ہوسکتا پس ثابت ہوگیا کہ انتظام بدون شخصی حکومت کے نہیں ہوسکتا۔ دوسرے جو لوگ کثرت رائے

پر فیصلہ کا مدار رکھتے ہیں اور بادشاہ کو تنہا فیصلہ کرنے کا اختیار نہیں دیتے وہ پہلے ہی سے اس کو تسلیم کرتے ہیں کہ ہمارا بادشاہ ایسا ضعیف الرائے (۱) ہے کہ اس کی تنہا رائے قابل اعتبار نہیں۔ اور وہ نااہل ہے۔ تو واقعی جو لوگ اپنے بادشاہ کو ایسا سمجھتے ہوں ہم ان سے گفتگو نہیں کرتے۔ ان کو جمہوریت مبارک ہو ایسا نا اہل بادشاہ ہرگز اس قابل نہیں کہ اس کو شخصی سلطنت کا بادشاہ بنایا جائے۔

اہل حل وعقد کی ذمہ داری

اسلام میں جو شخصی سلطنت کی تعلیم ہے تو اس کے ساتھ یہ بھی حکم ہے کہ اہل حل وعقد اور جماعت عقلاء بادشاہ ایسے شخص کو بناؤ جو اتنا صائب الرائے ہو کہ اگر کبھی اس کی رائے سارے عالم کے بھی خلاف ہو تو یہ احتمال ہو سکے کہ شاید اسی کی رائے صحیح ہو اور جس کی رائے میں اتنی رزانت (۲) نہ ہو اس کو ہرگز بادشاہ نہ بناؤ۔ اب بتلاؤ کہ جس کی رائے اتنی رزین ہو کہ سارے عالم کے مقابلہ میں قابل ہے بشرطیکہ اہل حل وعقد انتخاب میں خیانت نہ کریں۔ پس ہم شخصی سلطنت کے اس لیے حامی ہیں کہ ہم بادشاہ کو رزین العقل (۳) صائب الرائے سمجھتے ہیں۔ اور تم کثرت رائے کے اس لیے حامی ہو کہ تم اپنے بادشاہ کو ضعیف الرائے اور نااہل سمجھتے ہو تو ایسے شخص کو بادشاہ بنانے ہی کی کیا ضرورت ہے جس کے لیے ضم ضمیمہ کی ضرورت ہو بلکہ پہلے ہی سے بادشاہ ایسے شخص کو بناؤ جو ضم ضم ضمیمہ (۴) کا محتاج نہ ہو۔ مستقل الرائے ہو اور اگر تم بھی اپنے بادشاہ کو مستقل الرائے صائب العقل رزین سمجھتے ہو تو پھر کثرت رائے پر فیصلہ کا مدار رکھنا اور کامل العقل کو ناقصین کی رائے کا تابع بنانا ظلم ہے جس کا حماقت ہونا بدیہی ہے۔

اسلام اور جمہوریت

بعض لوگوں کو یہ حماقت سوجھی ہے کہ وہ جمہوری سلطنت کو اسلام میں ٹھونسنا چاہتے ہیں اور دعویٰ کرتے ہیں کہ اسلام میں جمہوریت ہی کی تعلیم ہے استدلال میں یہ

(۱) بادشاہ کی رائے کمزور ہے (۲) عمدگی وپختگی (۳) عمدہ عقل والا (۴) اس کے ساتھ حاشیہ لگانے کی ضرورت۔

آیت پیش کرتے ہیں۔ وَشَاوِرْهُمْ فِي الْأَمْرِ مگر یہ بالکل غلط ہے ان لوگوں نے مشورہ کے دفعات ہی کو دفع کر دیا اور اسلام میں مشورہ کا جو درجہ ہے اس کو بالکل نہیں سمجھا۔ اسلام میں مشورہ کا درجہ یہ ہے کہ ایک مرتبہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت بریرہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا تھا کہ اے بریرہ تم اپنے شوہر سے رجوع کرلو۔ قصہ یہ ہوا تھا کہ حضرت بریرہ پہلے باندی تھیں۔ اور اسی حالت میں ان کا نکاح ایک شخص سے جن کا نام مغیث تھا۔ ان کے آقا نے کر دیا تھا۔ جب وہ آزاد ہوئیں تو قانون اسلام کے مطابق ان کو یہ اختیار دیا گیا کہ جو نکاح حالت غلامی میں ہوا تھا اگر چاہیں اس کو باقی رکھیں اگر چاہیں فسخ کر دیں(۱)۔ اصطلاح شریعت میں اس کو خیار عتق(۲) کہتے ہیں۔ اس اختیار کی بناء پر حضرت بریرہؓ نے نکاح سابق کو فسخ(۳) کر دیا۔ لیکن ان کے شوہر کو ان سے بہت محبت تھی وہ صدمۂ فراق میں مدینہ کے گلی کوچوں میں روتے پھرا کرتے تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اس پر رحم آیا۔ اور حضرت بریرہؓ سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اے بریرہؓ کیا اچھا ہوا گر تم اپنے شوہر سے رجوع کرلو۔ تو وہ دریافت فرماتی ہیں کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ آپ کا حکم ہے یا مشورہ کی ایک فرد ہے اگر حکم ہے تو بسر وچشم منظور ہے گو مجھ کو تکلیف ہی ہو آپ نے فرمایا حکم نہیں صرف مشورہ ہے تو حضرت بریرہؓ نے صاف عرض کر دیا کہ اگر مشورہ ہے تو میں مشورہ کو قبول نہیں کرتی۔ لیجئے اسلام میں یہ درجہ ہے مشورہ کا کہ اگر نبی اور خلیفہ تو بدرجۂ اولیٰ رعایا کے کسی آدمی کو کوئی مشورہ دیں تو اس کو حق ہے کہ مشورہ پر عمل نہ کرے اور یہ محض ضابطہ کا حق نہیں۔ بلکہ واقعی حق ہے۔ چنانچہ جب حضرت بریرہؓ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مشورہ پر عمل نہ کیا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم ان سے ذرا بھی ناراض نہیں ہوئے نہ حضرت بریرہؓ کو کچھ گناہ ہوا۔ نہ ان پر کچھ عتاب ہوا تو جب امت اور رعایا اپنے نبی یا بادشاہ کے مشورہ پر عمل کرنے کے لیے اسلام میں مجبور نہیں تو نبی یا خلیفہ رعایا کے مشورہ سے کیونکر مجبور ہوجائے گا کہ رعایا جو مشورہ دے اسی کے موافق عمل کرے۔ اس کے خلاف کبھی نہ کرے۔ پس وَشَاوِرْهُمْ فِي الْأَمْرِ سے

(۱) توڑ دیں (۲) آزادی کی صورت میں ملنے والا اختیار (۳) پہلا نکاح توڑ دیا۔

صرف یہ ثابت ہوا کہ حکام رعایا سے مشورہ کرلیا کریں یہ کہاں ثابت ہوا کہ ان کے مشورہ پر عمل بھی ضرور کیا کریں اور اگر کثرت رائے بادشاہ کے خلاف ہوجائے تو وہ کثیرین کے مشورہ پر عمل کرنے کے لیے مجبور ہے اور جب تک یہ بات ثابت نہ ہو اس وقت تک وَشَاوِرْهُمْ فِي الْأَمْرِ سے جمہوریت ہرگز ثابت نہیں ہوسکتی جب اسلام میں ایک معمولی آدمی بھی بادشاہ کے مشورہ پر مجبور نہیں ہوتا تو تم بادشاہ کو رعایا کے مشورہ پر کیونکر مجبور کرتے ہو۔ آخر اس کی کوئی دلیل بھی ہے یا محض دعویٰ ہی دعویٰ ہے اور ہمارے پاس حدیث بریرہؓ سے دلیل موجود ہے کہ کسی کے مشورہ پر عمل کرنا ضروری نہیں۔ خواہ نبی ہی کا مشورہ کیوں نہ ہو۔ اس سے یہ بات ثابت ہوگئی کہ اگر حکام رعایا سے مشورہ لیں تو وہ ان کے مشورہ پر عمل کرنے کے لیے مجبور ہرگز نہیں ہیں۔ بلکہ عمل خود اپنی رائے پر کریں۔ خواہ وہ دنیا بھر کے مشورہ کے خلاف ہی کیوں نہ ہو۔ چنانچہ اس آیت میں آگے ارشاد ہے فَإِذَا عَزَمْتَ فَتَوَكَّلْ عَلَى اللَّهِ کہ مشورہ کے بعد جب آپ ارادہ کسی بات کا کریں تو خدا پر بھروسہ کرکے اس پر عمل کریں۔ یہاں اذا عزمت صیغہ واحد ہے معلوم ہوا کہ عزم میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم مستقل تھے۔ اسی طرح آپ کا نائب یعنی سلطان بھی عزم میں مستقل ہے۔ اگر عزم کا مدار کثرت رائے پر ہوتا تو اذا عزمت نہ فرماتے بلکہ اس کے بجائے اذا عزم اکثر کم فتوکلوا علی اللہ (۱) فرماتے ہیں۔ پس جس آیت سے یہ لوگ جمہوریت پر استدلال کرتے ہیں اس کا اخیر جزو خود ان کے دعویٰ کی تردید کررہا ہے مگر ان کی حالت یہ ہے حفظت شیئًا وغایت عنك اشیاء کہ ایک جزو کو دیکھتے ہیں اور دوسرے جز سے آنکھیں بند کرلیتے ہیں۔

دوسرے اس آیت میں صرف حکام کو یہ کہا گیا ہے کہ وہ رعایا سے مشورہ کرلیا کریں۔ رعایا کو تو یہ حق نہیں دیا گیا کہ تم از خود استحقاقاً حکام کو مشورہ دیا کرو۔ چاہے وہ مشورہ لیں یا نہ لیں۔ اہل مشورہ ان کو مشورہ سننے پر مجبور کرسکیں چنانچہ شریعت میں اشیروا الحکام وھو حقکم علیکم (۲) کہیں نہیں کہا گیا۔ جب رعایا کو از خود مشورہ

(۱) جب تم میں سے اکثر ایک رائے پر جم جائیں تو اللہ پر بھروسہ کریں (۲) حکام کو مشورہ دیا کرو یہ تمہارا حق ہے ان پر۔

دینے کا کوئی حق بدرجۂ لزوم نہیں۔ تو پھر اسلام میں جمہوریت کہاں ہوئی کیونکہ جمہوریت میں تو پارلیمنٹ کو از خود رائے دینے کا حق ہوتا ہے۔ چاہے بادشاہ ان سے رائے لے یا نہ لے۔ یہاں تک کہ اگر بادشاہ پارلیمنٹ سے بغیر رائے لیے کوئی حکم نافذ کردے تو اس پر چاروں طرف سے لے دے ہوتی ہے کہ ہم سے بدون مشورہ لئے یہ حکم کیوں جاری کیا گیا۔ بھلا رعایا کو یہ حکم اسلام میں کہاں دیا گیا ہے۔ ذرا کوئی صاحب ثابت تو کریں۔ پس یہ دعویٰ بالکل غلط ہے کہ اسلام میں جمہوریت کی تعلیم ہے اور جس آیت سے یہ لوگ استدلال کرتے ہیں میں نے بتلادیا کہ اس سے استدلال نہیں ہوسکتا۔ بلکہ اگر غور کریں تو اسی آیت سے شخصی حکومت کا ثبوت ہورہا ہے۔

فتوکل علی اللہ کی حکمت

اور اس آیت میں فَتَوَكَّلْ عَلَى اللَّهِ جو حق تعالیٰ نے فرمایا ہے اس میں ایک عجیب حکمت ہے۔ یہ بات اسی وقت ذہن میں آئی ہے۔ وہ حکمت یہ ہے کہ بعض لوگوں کو جو خیال ہے کہ ایک شخص کی تنہا رائے کبھی صحیح نہیں ہوسکتی۔ ضرور اس میں غلطی ہوگی اس کا جواب فَتَوَكَّلْ عَلَى اللَّهِ میں دیا گیا ہے۔ سبحان اللہ حق تعالیٰ کو معلوم تھا کہ ایک زمانہ ایسا بھی آوے گا جس میں مادہ پرستی غالب ہوگی۔ اور بعض لوگوں کا یہ اعتقاد ہوگا کہ شخص واحد کی رائے ضرور غلطی کرے گی۔ اس لیے پہلے ہی سے اس کا بھی جواب دے دیا اور ایسا جواب دیا جس میں گفتگو کی مجال نہیں۔ اس خیال کا ایک جواب تو یہ تھا کہ یہ مشاہدہ کے خلاف ہے تم تجربہ کرکے دیکھ لو معلوم ہوجائے گا کہ بعض دفعہ ایک شخص کی رائے تمام دنیا کے خلاف صحیح ہوتی ہے مگر اس سے گفتگو قطع نہیں ہوتی۔ اور تو تو میں میں شروع ہوجاتی ہے۔ چنانچہ آج کل یہ جواب دے کر دیکھ لو جو کبھی گفتگو قطع ہو(۱)۔ مخاطب کبھی اس کو اتفاق پر محمول کرے گا کبھی یہ کہے گا کہ واقع میں اکثر ہی کی رائے صحیح تھی مگر بعض موانع کی (۲) وجہ سے ان کو کامیابی نہیں ہوئی اور شخص واحد کی رائے واقع

(۱) بحث ختم ہو (۲) رکاوٹوں کی وجہ سے۔

میں غلط تھی مگر اسباب خارجہ (۱) ایسے پیش آ گئے جن کی وجہ سے اس کی رائے کامیاب ہوگئی۔ وعلیٰ ہذا کچھ نہ کچھ تو جیہیں نکال لی جائیں گی مگر حق تعالیٰ نے یہ جواب نہیں دیا۔ حق تعالیٰ کی عادت ہے کہ جواب ایسا دیا کرتے ہیں جس سے مخاطب کی تسلی ہوجائے۔ قرآن میں مقدمات اور صغریٰ کبریٰ اور قیاسی اشکال سے جواب نہیں دیا گیا۔ کیونکہ اس سے گفتگو قطع نہیں ہوتی مخاطب مقدمات میں گفتگو کرنے لگتا ہے۔ بلکہ قرآن میں جواب ایسی مختصر بات سے دیا جاتا ہے جو دل میں گھس جائے اور مخاطب کو گفتگو کی جگہ نہ ملے چنانچہ اس خیال کا دوسرا جواب وہ ہے جو فَتَوَكَّلْ عَلَى اللَّهِ میں دیا گیا ہے۔ جس کا حاصل یہ ہے کہ حاکم کا قلب مشورہ کے بعد جب ایک شق کی طرف مائل ہوجائے تو خدا پر بھروسہ کرکے عمل شروع کردے۔ تمہارے ہاتھ میں خزائن کامیابی نہیں ہیں بلکہ سب خزائن ہمارے ہاتھ میں ہیں۔ تم خدا پر بھروسہ کرکے عمل کرو۔ حق تعالیٰ شخص واحد کی رائے کو بھی کامیاب کرسکتے ہیں بلکہ اگر وہ رائے غلط بھی ہوگی تب بھی توکل کی برکت سے صحیح ہوجائے گی۔ اور اگر عقل اس کو تسلیم نہ کرے تو تم عقل کے فتوے پر عمل نہ کرو۔ بلکہ ہمارے قانون پر عمل کرو۔ ہمارا قانون یہ ہے کہ مشورہ کے بعد حاکم کی رائے جس طرف قائم ہوجائے اس کو اپنی رائے کے موافق عمل کرنا چاہیے اور خدا پر نظر رکھنی چاہیے وہ ایک آدمی کی رائے کو بھی تمام عالم کی رائے پر غالب کرسکتے ہیں۔ عقل اگر یہ کہے کہ ایک کی رائے صحیح نہیں ہوسکتی تو اس کی بات پر التفات نہ کرو۔ عقل بیچاری ہے کیا چیز۔ جو قانون خداوندی میں اس کے فتوے سے مزاحمت کی جاوے۔

اسباب پرستی

عقل کی بس اتنی حقیقت ہے کہ اسے خود اپنی حقیقت بھی معلوم نہیں۔ عقلاء میں اب تک اختلاف ہے کہ عقل جوہر مجرد ہے یا جوہر مادی ہے۔ اور یہ نفس ناطقہ کے علاوہ کوئی چیز ہے یا خود نفس ہی کا نام عقل ہے۔ یہ عقل کا علم ہے پھر اس کو احکام خداوندی میں مزاحمت کا کیا حق ہے۔ جو لوگ عقل کے بہت متبع ہیں۔ وہ ہر وقت پریشان

(۱) بیرونی اسباب۔

ہیں ہر چیز کی لم (۱) دریافت کرنا چاہتے ہیں مگر بعض جگہ گاڑی اٹک جاتی ہے اور کوئی بات نہیں بنتی۔ اور جہاں کچھ اسباب وعلل معلوم بھی ہوجاتے ہیں وہ بھی اٹکل اور تخمین سے زیادہ وقعت نہیں رکھتے پرسوں آندھی آئی تھی میں کہہ رہا تھا کہ عقلاء کے نزدیک اس کے بھی کچھ اسباب ہیں تو یہ لوگ ان اسباب میں تصرف کرکے ذرا اس کو روک تو دیں۔ آخر اور بہت سے اسباب میں تصرف کے مدعی ہیں۔ آندھی کے اسباب میں بھی تو ذرا تصرف کرکے دکھلائیں دو حال سے خالی نہیں یا تو وہ اسباب اختیاری ہیں یا غیر اختیاری اگر اختیاری ہیں تو ان میں تصرف کرکے دکھلائیں اور اگر وہ اسباب غیر اختیاری ہیں اور قابل تصرف نہیں ہیں تو معلوم ہوا کہ آندھی کا آنا اور اس کا روکنا کس کے اختیار میں نہیں تو پھر خواہ مخواہ اسباب کا نام کیوں کرتے ہیں موحد (۲) کی طرح صاف کیوں نہیں کہہ دیتے کہ حق تعالیٰ کے حکم سے آندھی آتی ہے اسی طرح زلزلہ آتا ہے اس کے لیے بھی ان کے نزدیک کچھ اسباب ہیں تو ذرا ان اسباب میں تصرف کرکے زلزلہ کو روک تو دیں۔ زلزلہ کو تو کیا روکتے جن چیزوں کا انکو تجربہ سے علم بھی ہوچکا ہے ان کی بھی لم معلوم نہیں مثلاً زلزلہ سے کچھ پہلے مقناطیس کی خاصیت جذب زائل ہوجاتی ہے۔ ذرا اس کی لم مجھے کوئی بتلادے کہ آخر زلزلہ میں اور مقناطیس کی قوت میں کیا تعلق ہے۔ زلزلہ سے اسکی قوت جذب (۳) کیوں زائل ہوجاتی ہے کوئی شخص اس کی لم بیان نہیں کرسکتا۔ باقی اٹکل پچو بات گھڑ دینا تو ہر ایک کو آسان ہے لم تو وہ ہے جس کو دل بھی قبول کرلے ورنہ گھڑ گھڑ کے بیان کر دینا کیا مشکل ہے۔

من گھڑت وجوہ

مگر وہ ایسی ہی لم ہوگی جیسے بعض لوگوں نے چیتے کے بدن پر نشانات کی وجہ بتلائی ہے کہ وہ دھوپ میں سایہ دار درخت کے نیچے بیٹھتا تھا۔ اس لیے جہاں سے دھوپ پڑی وہاں سے سفید ہوگیا۔ جہاں سایہ پڑا وہاں سے سیاہ ہوگیا۔ واہیات، بھلا ان سے

(۱) علت (۲) توحید کے قائل (۳) لوہے کو کھینچنے کی قوت۔

کوئی پوچھے کہ اس چیتے کے پاس کوئی پرکار تھی کہ ہر روز ایک ہی جگہ میں ٹھیک بیٹھتا تھا۔ اور آہستہ آہستہ دھوپ سے سایہ میں اور سایہ سے دھوپ میں اس طرح ہٹتا تھا کہ بدن پر گول گول ہی نشانات پڑیں کوئی نشان مربع یا مستطیل یا مثلث (۱) ومکعب نہ ہو۔ کیا کسی کے دل کو یہ بات لگ سکتی ہے چیتا کیا ہوا بڑا ماہر انجینئر ہوا۔ مگر ان احمقانہ وجوہ پر یہ لوگ خوش ہیں کہ ہم نے وجہ تو بیان کردی ہے چاہے وہ ایسی ہی وجہ ہو جیسے ایک شیخ نے جاٹ سے کہا تھا کہ جاٹ رے جاٹ تیسرے سر پر کھاٹ، اس نے کہا شیخ رے شیخ تیرے سر پر کولہو۔ شیخ نے کہا واہ قافیہ تو ملا ہی نہیں۔ کہنے لگا قافیہ نہ سہی بوجھ میں تو مرے گا ایسے ہی ان کی وجہ ہوتی ہے کہ چاہے جوڑ نہ ہو مگر وجہ ہونی چاہیے۔ یہ ساری خرابی ہے طبیعت بے شعور کو فاعل ماننے کی۔ کیونکہ یہ لوگ یہ تو کہہ نہیں سکتے کہ یہ نشانات طبیعت نے بلاواسطہ بتادیئے ہیں کیونکہ طبیعت میں ارادہ اور شعور ہی نہیں وہ کس طرح افعال مختلفہ بناتی۔ اس لیے اسباب کا واسطہ مانتے ہیں پھر اٹکل پچو اسباب گھڑ کر نکالتے ہیں۔

موحد کی بے فکری

اور موحد کو کسی جگہ اٹکاؤ نہیں وہ بڑا بے فکر ہے جس بات کی اس سے وجہ پوچھو وہ کہتا ہے کہ خدا نے یوں ہی بنانا چاہا تھا۔ بنادیا اور گو وہ واحد حقیقی ہے مگر ارادہ کے تعلق کی وجہ سے افعال میں اختلاف واقع ہوگیا۔ اس لیے الواحد لا یصدر عنه الا الواحد(۲) کے بھی خلاف نہیں کیونکہ یہ حکم علت موجبہ میں ہے اور حق تعالیٰ ایجاب سے منزہ ہیں اور طبیعت میں ارادہ اور شعور ہی نہیں وہ علت موجبہ ہی ہوگی۔ اس لیے اس کی طرف ان افعال کی نسبت نہیں کرسکتے۔ ہائے کیسے غیر ذی شعور کو فاعل (۳) مانا اور جس جگہ ان سے کوئی تاویل نہیں بنتی نہ الٹی نہ سیدھی نہ کوئی سبب ظاہری سمجھ آتا ہے تو وہاں بھی ظالم، خدا کو فاعل نہیں مانتے بلکہ ان مواقع کے لیے بخت واتفاق کو گھڑ لیا ہے مگر یہ محض نام ہی نام ہے۔ إِنْ هِيَ إِلَّآ أَسْمَآءٌ سَمَّيْتُمُوهَآ أَنتُمْ وَءَابَآؤُكُم (۴)

(۱) چوکور لمبا یا تکون نہ ہو (۲) ایک علت سے ایک ہی چیز صادر ہوگی (۳) افسوس جس میں شعور واحساس ہی نہیں اس کو فاعل مان لیا (۴) یہ صرف نام ہی نام ہیں جو تم نے اور تمہارے باپ دادا نے گھڑ لیے سورۃ النجم: ۲۳

کوئی ان سے پوچھے بخت واتفاق ہے کیا بلا؟ اس میں فاعلیت کی قوت کہاں سے آ گئی اور یہ کیونکر سبب بن گیا بس اس کا کچھ جواب نہیں۔ یہ ہے عقل محض کے اتباع کا نتیجہ جس سے ایسی بے عقلی کی باتیں ماننا پڑتی ہیں موحد کیسی چین میں ہے کہ اس کو ایسی دوراز کار باتیں سوچنے کی کوئی ضرورت نہیں۔ وہ کہتا ہے کہ سب کا فاعل خدا ہے۔ اس نے جس طرح پیدا کرنا چاہا پیدا کر دیا نہ اس کو طبیعت کی ضرورت ہے نہ بخت واتفاق کی۔ اور جہاں ظاہر میں کچھ اسباب کا دخل معلوم بھی ہوتا ہے وہاں وہ کہتا ہے کہ اسباب موثر بالذات نہیں ہیں بلکہ یا تو موثر باذن الخالق ہیں(۵) جیسا کہ ایک قول ہے اور یا موثر ہی نہیں۔ بلکہ محض علامات ہیں جیسا ایک قول ہے جیسے جھنڈی کا ہلنا ریل کے چلنے کی محض علامت ہے موثر بالذات حق تعالیٰ ہیں۔ اگر وہ ارادہ نہ کریں تو سارا اسباب بے کار پڑے رہیں۔ جیسے ڈرائیور گاڑی کو روکنا نہ چاہے تو ہزاروں سرخ جھنڈیاں بے کار ہوجاتی ہیں۔ بتلایئے یہ شخص چین میں ہے یا وہ شخص جو کبھی اسباب کو فاعل مانتا ہے کبھی طبیعت کو کبھی بخت واتفاق کو۔

موحد کا مذہب

موحد ان اسباب پرستوں کی پریشانی دیکھ کر یوں کہتا ہے۔

اربا واحدا ام الف رب ادین اذا تقسمت الامور
ترکت اللات والعزیٰ جمیعا کذلك یفعل الرجل البصیر(۱)

وہ ان سب لات وعزیٰ پر لات مارتا ہے اور ایک خدا کو فاعل مانتا ہے اور اسباب پرستوں سے کہتا ہے کہ تم ایک خدا کو چھوڑ کر کہاں مارے مارے پھرتے ہو۔ چھوڑو ان خرافات کو اور یہ مذہب اختیار کرو۔

مصلحت دید من آں است کہ یاراں ہمہ کار بگذارند وخم طرۂ یارے گیرند(۲)

(۵) اللہ کے حکم سے اثر کرتے ہیں (۱) ''جب معاملات کی تقسیم ہے تو کیا میں ایک رب کی اطاعت کروں یا ہزار رب کی؟ میں نے لات وعزیٰ وغیرہ سب کو چھوڑ دیا اور دانا آدمی ایسا ہی کیا کرتے ہیں'' (۲) ''میرے نزدیک مصلحت یہ ہے کہ دوست سب کام چھوڑ کر یار کی زلفوں کے خم کو قابو میں رکھیں''۔

خلیل آسا در ملک یقین زن نوائے لااحب الآفلین زن(۱)

کیونکہ وہ دیکھتا ہے کہ اسباب سب اسکے قبضہ میں ہیں۔

خاک و باد وآب وآتش بندہ اند بامن وتو مردہ باحق زندہ اند(۲)

واللہ موحد سے بڑھ کر کوئی چین میں نہیں۔ پھر مشرکین کے بعضے معبود ایسے ہیں کہ ان میں باہم رقابت ہے۔ وہ ایک کی عبادت دوسرے سے چھپا کر کرتے ہیں کہیں وہ یہ معلوم کر کے کہ یہ دوسرے کے پاس بھی جاتا ہے۔ ناخوش نہ ہوجائے جیسے کوئی رنڈی دو آشنا کرے تو وہ ایک کے پاس دوسرے سے چھپ کر جاتی ہے اور موحد کو ایسا اطمینان ہوتا ہے جیسا بچہ کو ماں کی گود میں اطمینان ہوتا ہے۔ بچہ ماں کی گود میں جا کر بالکل بے فکر ہوجاتا ہے کہ بس اب کسی کا خوف نہیں اور اس کی حالت یہ ہوتی ہے کہ دوسرا پیار سے بھی بلائے تو اس سے بھاگتا ہے اور ماں اگر مارتی بھی ہے تو اس سے بھاگتا نہیں بلکہ رو کر اسی کو چمٹ جاتا ہے۔ مولانا فرماتے ہیں۔

مادرش گر سیلے بروی زند هم بمادر آید ابروئے تند

از کسے یارے نخواہد غیراو اوست جملہ شر او وخیر او(۳)

(دفتر چہارم ثلثہ ارباع)

عقلی تہذیب

افلاطون نے موسیٰ علیہ السلام سے سوال کیا تھا کہ اگر آسمان کمان ہو اور حوادث تیر ہوں اور خدا تعالیٰ تیر انداز ہوں تو اس سے بھاگ کر کہاں جائے۔ موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ تیر انداز کے پاس جا کھڑا ہو۔ کیونکہ تیر دور والے کے لگتا ہے پاس والے کے نہیں لگتا۔ افلاطون نے کہا کہ یہ جواب بجز نبی کے کوئی نہیں دے سکتا واقعی آپ نبی ہیں مگر با ینہمہ (۴)

(۱)'' حضرت ابراہیم کی طرح ملک یقین کا دروازہ کھٹکھٹا اور غائب ہونے والوں کو میں نہیں چاہتا ہوں''

(۲)''مٹی ہوا، پانی اور آگ غلام ہیں ہمارے سامنے تو یہ چیزیں مردہ مگر اللہ کے سامنے زندہ ہیں'' (۳)''اس کی ماں اگر طمانچہ لگائے تو وہ ماں کے اوپر ہی لپٹ جاتا ہے ماں کے علاوہ کسی سے یاری اور مدد نہیں چاہتا صرف ماں کو خیر وشر کا مالک سمجھتا ہے'' (۴) اس سب کے باوجود۔

یہ حکما اتباع نہیں کرتے تھے یہ کہتے تھے کہ نبی کی ضرورت ان لوگوں کو ہے جنہوں نے اپنے نفوس کی اصلاح نہیں کی۔ ونحن قوم قد هذبنا انفسنا فلا حاجة لنا الى من يهذبنا اور ہم اپنے نفوس کو مہذب بنا چکے ہیں۔ ہمیں کسی مہذب بنانے والے کی ضرورت نہیں۔ مگر بخدا ان کا یہ خیال غلط تھا۔ بھلا عقلی تہذیب بھی کہیں نبی سے مستغنی کرسکتی ہے ان لوگوں نے انبیاء علیہم السلام کی تہذیب کو دیکھا ہی نہیں۔ ورنہ اقرار کر لیتے کہ اس کے سامنے ہماری تہذیب سراسر بدتہذیبی ہے۔ چنانچہ مجاہدات وریاضات میں حکماء یونان کو کمال حاصل تھا۔ اور اسی تہذیب کے وہ مدعی تھے۔ مگر میں نے بیانات سابقہ میں ثابت کر دیا ہے کہ مجاہدات کی جو صورت شریعت نے تجویز کی ہے اس کی حکماء یونان کو ہوا بھی نہیں لگی جو طریقے ان لوگوں نے ریاضت ومجاہدہ کے لیے تجویز کئے تھے ان میں بے شمار غوائل وفتن ہیں(۱)۔ اور منافع بہت کم اور شریعت نے جو طریقے مجاہدات کے تجویز کئے ہیں وہ غوائل سے محفوظ اور منافع سے پُر ہیں۔ ذرا کوئی ان کی نظیر تو دکھلائے۔ یہ کلام تو ان حکماء کی تہذیب میں تھا۔

تعذیب جدید

باقی آج کل جس چیز کا نام تہذیب رکھا جاتا ہے میں تو اس کو تعذیب کہا کرتا ہوں۔ یہ تو ہرگز اس قابل نہیں کہ اس کو تہذیب کہا جائے اس سے تو حکماء یونان ہی کی تہذیب اچھی تھی۔ کیونکہ ان میں کسی قدر روحانیت بھی تھی۔ وہ لوگ خدا کے قائل تھے۔ توحید کے قائل تھے گو توحید میں اتنا غلو کیا کہ خدا کو معطل کر کے عقول عشرہ کو فاعل اور قدیم مان لیا۔ مگر پھر وہ لوگ آجکل کے حکماء سے اچھے تھے۔ خدا کے وجود کے تو قائل تھے اور جہاں تک ان کی عقل نے کام دیا وہاں تک صفات کمال کو بھی حق تعالیٰ کے لیے ثابت کرتے تھے۔

آج کل کے حکماء کی مثال

اور آج کل کے حکماء تو ایسے بدتہذیب ہیں کہ خدا کے بھی منکر ہیں ان کی ایسی

(۱) بہت پریشانیاں اور فتنے ہیں۔

مثال ہے جیسے ایک چپراسی اپنے افسر سے تنخواہ لیتا ہو مگر تنخواہ لینے کے بعد کہتا ہے کہ میرا کوئی افسر نہیں نہ مجھے کوئی تنخواہ دیتا ہے بلکہ زمین سے خود بخود روپے پیدا ہوجاتے ہیں اور ہوا سے اڑ کر میرے ہاتھ میں آجاتے ہیں۔ رسالہ حمیدیہ میں موحد اور دہری کی مثال ایک گفتگو کے پیرایہ میں خوب لکھی ہے کہ ایک موحد اور ایک دہری کسی جزیرہ میں گئے۔ وہاں ایک مکان نہایت خوبصورت مستحکم بنا ہوا دیکھا جس میں ایک طرف کھانے کا کمرہ ہے جو فرش فروش اور آئینوں سے سجا ہوا ہے۔ ایک طرف سونے کا کمرہ ہے جس میں عمدہ عمدہ مسہریاں بچھی ہوئی اور فرشی پنکھے لگے ہوئے ہیں۔ ہر کمرہ میں ہوا کے لیے روشندان بنے ہوئے ہیں۔ ایک طرف باغ لگا ہوا ہے جس کے درخت نہایت قرینے سے لگائے گئے ہیں۔ ایک طرف حوض بنا ہوا ہے جس میں فوارہ سے ہر وقت پانی آتا ہے۔ موحد نے اس مکان کو دیکھ کر کہا کہ اس کا بنانے والا بڑا ہی صناع (۱) اور بہت ہی ماہر تھا۔ جس نے نہایت عمدگی اور مضبوطی اور خوبصورتی کے ساتھ اس مکان کو تیار کیا۔ دہری نے کہا کہ اس کا بنانے والا کوئی نہیں بلکہ عرصہ دراز تک بارش ہونے سے زمین کی مٹی جم گئی پھر دھوپ سے پختہ اینٹیں بن گئیں۔ پھر ہوا سے اڑاڑ کر وہ اینٹیں اس جگہ آکر جمع ہوگئیں۔ پھر ہوا چلی اور ان کو اوپر نیچے کر دیا اس طرح دیواریں بن گئیں پھر پہاڑوں سے پتھر گرے اور ہوا نے ان کو اڑا کر یہاں کھڑا کر دیا اس کے ستون بن گئے پھر درختوں کی لکڑیاں ہوا سے ٹوٹ گئیں اور اڑ کر یہاں چھت کی صورت میں قائم ہوگئیں اس کے ستون بن گئے۔ اسی طرح اس نے سارے مکان کو ہوا اور دھوپ سے تیار کر دیا۔ میں آپ ہی سے پوچھتا ہوں کہ بتلایئے ان میں گدھا کون ہے اور آدمی کون ہے یقیناً وہ شخص بالکل گدھا ہے جو ایسے مکان کی نسبت یوں کہتا ہے کہ وہ خود بخود تیار ہوگیا۔ اسی طرح سمجھ لیجئے کہ جو آسمان وزمین کی اتنی بڑی عجیب وغریب اور عظیم الشان عمارت کو کسی صانع کی بنائی ہوئی نہیں مانتے بلکہ از خود تیار مانتے ہیں وہ بیوقوف ہیں یا نہیں۔ تو یونان کی حکمت اس حکمت سے پھر اچھی تھی وہ لوگ خدا کے تو قائل تھے۔

(۱) کاریگر۔

اہل سائنس کا حال

اور اہل سائنس تو غضب کرتے ہیں کہ خدا کے بھی منکر ہیں ۔ اور سائنس والوں میں سے جو مسلمان خدا کے قائل بھی ہیں یہ ان کی محض وضعداری ہے ورنہ ان کا خدا کا ماننا ایسا ہے جیسے کوئی شخص کسی سے پوچھے کہ تو نے بادشاہ کو دیکھا ہے وہ کہے ہاں دیکھا ہے اس کے ایک سونڈ تھی اور ذرا سا سر تھا۔ اور آنکھیں نہیں تھیں تو پہلا شخص یہ اصاف سن کر کہے گا کہ کمبخت تو نے بادشاہ کو نہیں دیکھا نہ معلوم کس بلا کو دیکھ لیا ہے۔ بادشاہ تو ایسا بدصورت نہیں ہے۔ یہی حال ان سائنس دان مسلمانوں کا ہے جو خدا کے قائل ہیں مگر اس کے کمالات کے منکر ہیں جن میں سے ایک بڑا کمال یہ ہے: يَفْعَلُ مَا يَشَآءُ وَيَحْكُمُ مَا يُرِيْدُ (۱) مگر یہ لوگ کہتے ہیں کہ بس خدا نے عالم کو پیدا کر کے طبیعت اور مادہ کے سپرد سارا کام کر دیا ہے۔ اب جو ہوتا ہے وہ اسباب طبیعیہ سے ہوتا ہے خدا تعالیٰ کے ارادہ کو کچھ دخل نہیں۔ گویا خدا نے گھڑی میں کوک (۲) بھر دی ہے اب اس کے چلنے میں فزاور بال کمانی کی طاقت کو دخل ہے خدا کو کچھ دخل نہیں۔ اسی لیے یہ لوگ ابراہیم علیہ السلام پر نار کے گلزار ہونے کا انکار کرتے ہیں کہ آگ بھلا کیوں کر ٹھنڈی ہوگئی۔ یہ تو قانون طبعیت کے خلاف ہے۔ بھلا بنی اسرائیل پر پہاڑ کیوں کر معلق ہوگیا۔ اور ایک ذرا سے پتھر میں سے بارہ چشمے کیونکر بہنے لگے۔ یہ تو قانون فطرت کے خلاف ہے ان لوگوں نے خدا تعالیٰ کو قانون فطرت کے تابع بنا دیا۔ موحد کہتا ہے کہ نہ معلوم تم کس عاجز کو خدا سمجھتے ہو۔ خدا تو ایسا عاجز نہیں اس کی تو شان یہ ہے کہ ایک پتہ بھی اس کے حکم اور اس کے خلاف نہیں ہل سکتا اور اگر وہ چاہے تو تمام عناصر کی خاصیت کو دم بھر میں بدل دے۔ پس ان اوصاف کے ساتھ یہ انکا کہنا کہ ہم خدا کے قائل ہیں ویسا ہی ہے جیسا اس شخص نے کہا تھا کہ ہاں میں نے بادشاہ کو دیکھا ہے اس کے ایک سونڈ تھی۔ اور آنکھیں ندارد تھیں۔ مگر بایں ہمہ (۳) ہم ان کو کافر نہ کہیں گے۔ کیونکہ ان کے اقوال سے خدا کا انکار

(۱) ''وہ جو چاہے کرتا ہے اور جو چاہے حکم فرماتا ہے'' (۲) چابی دیدی (۳) اس سب کے باوجود۔

صرف لازم آتا ہے۔ التزام نہیں پایا گیا اور لزوم کفر کفر نہیں التزام کفر کفر ہے۔

علماء پر اعتراض کی حقیقت

اس لیے ہم ایسے مسلمانون کو کافر نہیں کہتے پھر بھی یہ لوگ ہم پر اعتراض کرتے ہیں کہ مولوی مسلمانوں کو کافر بناتے ہیں۔ میں اس کے جواب میں کہا کرتا ہوں کہ مولوی کافر بناتے نہیں بلکہ کافر بتاتے ہیں۔ یعنی جو شخص اپنی حرکتوں سے کافر بن جاتا ہے مولوی اس کے کفر کو ظاہر کر دیتے ہیں۔ جیسے کسی شخص کے کپڑے میں پاخانہ لگا ہوا ہو اور دوسرا شخص اس سے کہہ دے کہ آپ کے کپڑے میں پاخانہ لگ رہا ہے اس کو دھو لیجئے تو کہیے اس نے پاخانہ لگایا یا کہ پاخانہ لگا ہوا بتادیا۔ پس آپ کا مولویوں پر جھلانا ایسا ہی ہے جیسا وہ شخص جس کے کپڑے میں پاخانہ لگ رہا ہے بتلانے والے کو دھمکانے لگے کہ واہ صاحب تم ہمارے لباس میں پاخانہ لگاتے ہو۔ وہ کہے گا بیوقوف میں نے تو لگایا نہیں۔ نہ میرے پاس پاخانہ موجود ہے جو میں لگاتا۔ تو نے خود ہی اپنی بے احتیاطی سے کہیں لگالیا ہے میں نے تو تجھے اطلاع کی ہے۔ کہئے ان دونوں میں کون حق پر ہے۔ دیکھو کافر بنانا تو یہ ہے کہ کسی کو کفر کی تلقین کی جائے جیسے مسلمان بنانا یہ ہے کہ کسی کو اسلام کی تلقین کی جائے۔ جس طرح ہم کافروں کو اسلام کی تلقین کرکے مسلمان بناتے ہیں کیا اسی طرح کسی مسلمان کو تلقین کفر کرتے ہوئے آپ نے کسی مولوی کو دیکھا ہے۔ کبھی نہ دیکھا ہوگا پس یہ کہنا بالکل غلط ہے کہ مولوی کافر بناتے ہیں بلکہ یوں کہو کہ وہ کافر بتاتے ہیں۔

ڈارون کا نظریہ

ایک اور مزے کی بات سنئے۔ جب اہل سائنس نے خدا کا انکار کیا اور طبیعت کو فاعل مانا تو ان کو اس کی بھی فکر ہوئی کہ اسباب طبیعہ کے موافق انسان کی اصل دریافت کی جائے۔ کیونکہ آدم علیہ السلام کا خدا کے ہاتھ سے پیدا ہونا تو ان کو مسلم نہیں(۱)۔ یہ تو ان کی عقل سے بعید ہے۔ تو ڈارون کو یہ کہنا پڑا کہ انسان کی اصل

(۱) مانتے نہیں۔

بندر ہے۔ بندر ترقی کر کے انسان بن گیا۔ اس کا نام مسئلۂ ارتقا ہے اس بیچارہ کو اپنے مناسب تمام حیوانات میں بندر ہی نظر آیا۔ جب کوئی اس قول کی تردید کے درپے ہوتا ہے میں کہتا ہوں کہ اس قول کے انکار کی ضرورت نہیں۔ اس کو اپنے نسب کا حال ہم سے زیادہ معلوم ہے۔ اس لیے وہ اپنا نسب بیان کرتا ہے۔ وہ بندر ہی کی نسل سے ہوگا اور ہم کو اپنے نسب کا حال اس سے زیادہ معلوم ہے کہ ہم آدم علیہ السلام کی نسل سے ہیں۔ تو تم اس کی بات کا کیوں انکار کرتے ہو وہ بیچارہ تو اپنا نسب بتلا رہا ہے تمہارا نسب تھوڑا ہی بتلا رہا ہے۔ اور جس دن وہ ہمارا نسب بتلائے گا ہم کہہ دیں گے صاحب البیت اوری بمافیہ کہ گھر والے کو اپنے گھر کی خبر دوسروں سے زیادہ ہوتی ہے۔ اس لیے ہمارے نسب کی خبر تجھ کو ہم سے زیادہ نہیں ہوسکتی ہمارے پاس شجرہ نسب آدم علیہ السلام تک محفوظ ہے۔ تجھے ہمارے نسب میں دخل دینے کا کوئی حق نہیں۔ ہاں تیرے پاس اپنا شجرہ نسب محفوظ نہ ہوگا تو تجھے اختیار ہے کہ جس سے چاہے اپنا نسب ملالے (مجہول النسب یہ نہ کرے تو اور کیا کرے ۱۲ جامع) یہ ساری خرابی طبیعت کو فاعل ماننے سے لازم آئی۔ خدا کو مان لیتے تو اس جھگڑے میں نہ پھنستے۔ یہ تو ان سائنس والوں کا حال تھا۔ جو خدا کے منکر ہیں۔

وضعداری کا اسلام

اب ان سائنس والوں کا حال سنئے جو برائے نام خدا کے قائل ہیں ان میں سے ایک صاحب علم کا قصہ ہے کہ جب انہوں نے دیکھا کہ قرآن میں آدم علیہ السلام کا قصہ ڈارون کی تحقیق کے مصادم (۱) ہے تو وہ بولے کہ شاید وہ پہلا بندر جس نے انسان کی طرف سب سے پہلے ترقی کی ہے (نعوذ باللہ) آدم علیہ السلام ہی ہوں۔ استغفراللہ، استغفراللہ۔ میرے تو رونگٹے کھڑے ہوتے ہیں۔ اس بات کی نقل سے بھی۔ اسی لیے میں نے کہا تھا کہ یہ لوگ جو اپنے کو مسلمان کہتے ہیں اور خدا کا قائل بتلاتے ہیں یہ محض وضع داری ہے۔ ورنہ حقیقت میں یہ خدا کے قائل نہیں۔ بھلا ڈارون کو تو اس قول پر اس

(۱) ٹکراتا ہے۔

بات نے مجبور کیا تھا کہ وہ خدا کو فاعل نہیں مانتا۔ طبیعت کو فاعل مانتا ہے اور طبیعت دفعۃً ترقی نہیں کرسکتی تدریجاً ترقی کرتی ہے کہ پہلے اجسام بسیط یعنی عناصر کی صورت اختیار کی۔ پھر اس سے ترقی کرکے جمادات مرکبہ کی صورت اختیار کی۔ پھر اس سے ترقی کرکے حیوانات کی صورت اختیار کی پھر حیوانات میں سے کسی نے ترقی کرکے انسان کی صورت اختیار کرلی۔ مگر جو شخص خدا تعالیٰ کو فاعل مختار مانتا ہو اس کو اس قول کی طرف کس چیز نے مضطر کیا۔ اس کے نزدیک اس میں کیا استحالہ ہے کہ خدا تعالیٰ آدم علیہ السلام کے پتلہ کو مٹی اور پانی سے بنا کر دفعۃً اس کو انسان بنادیں۔ اس ظالم کو ڈارون کی تقلید پر کس بات نے مجبور کیا۔ کہ وہ خواہ مخواہ ایک نبی کی توہین پر آمادہ ہوتا ہے۔ پھر اس میں علاوہ توہین نبی کے یہ بھی خرابی ہے کہ یہ تاویل ڈارون کے قول پر بھی غلط ہے کیونکہ ڈارون اس کا قائل نہیں کہ دنیا میں صرف ایک بندر ترقی کرکے انسان ہوا ہو جس کی نسل میں یہ سب انسان ہیں وہ تو یہ کہتا ہے کہ جس وقت بندر کی طبیعت نے ترقی کی ہے تو ایک خاص وقت میں ہر جگہ ہزارو لاکھوں بندر آدمی بن گئے۔ اور یہ سب ایک کی نسل سے نہیں۔ تو اس شخص نے ڈارون کی تقلید میں قرآن کے اندر تحریف کی اور وہ تحریف بھی ڈارون کے یہاں قبول نہ ہوئی۔ تو اِدھر سے بھی گئے اُدھر سے بھی گئے۔

نہ خدا ہی ملا نہ وصال صنم نہ اِدھر کے ہوئے نہ اُدھر کے ہوئے

ہائے یہ لوگ ایک خدا کو چھوڑ کر کدھر مارے مارے پھرتے ہیں۔

موحد کی ترقی

موحد کو ایک خدا سے تعلق ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے واسطے سے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو حق تعالیٰ سے بلاواسطہ علاقہ ہے۔ اس لیے حضور کے اقوال میں غلطی نہیں ہوسکتی۔ آپ کی شان یہ ہے۔

گفتہ او گفتہ اللہ بود گرچہ از حلقوم عبداللہ بود(۱)

(۱) ''اس کہا اللہ کا کہا ہے اگرچہ وہ اللہ کے بندے کے گلے سے نکل رہا ہے''

اس لیے موحد کو اپنے علوم پر اطمینان ہوتا ہے اور کیوں نہ ہو وہ علوم ہی اطمینان بخش ہیں۔ موحد کہتا ہے کہ ہر چیز کا فاعل خدا ہے۔ خدا نے آدم علیہ السلام کو دفعتاً(۱) مٹی سے پیدا کر کے دفعۃً انسان بنا دیا۔ اس کو کچھ ضرورت نہیں کہ اپنا نسب بندر یا سور سے ملائے تو خدا کو فاعل ماننے میں کیسی راحت ہے کہ سب جھگڑوں سے نجات ہوگئی یہ تو علمی راحت، اور دنیوی حسی راحت یہ ہے کہ حوادث ومصائب میں موحد مستقل ومطمئن رہتا ہے۔ وہ کہتا ہے۔ قُل لَّن يُصِيبَنَآ إِلَّا مَا كَتَبَ ٱللَّهُ لَنَا هُوَ مَوْلَىٰنَا ۚ وَعَلَى ٱللَّهِ فَلْيَتَوَكَّلِ ٱلْمُؤْمِنُونَ (۲) کہ ہم کو وہی پیش آئے گا جو خدا نے مقدر کر دیا ہے۔ اس کے خلاف ہرگز کچھ پیش نہیں آسکتا۔ اور حق تعالیٰ ہمارے آقا ومولیٰ ہیں۔ ان کی طرف سے جو کچھ بھی پیش آئے گا اس میں رحمت وحکمت ہی ہوگی۔ اس لیے خدا ہی پر مسلمان کو بھروسہ کرنا چاہیے۔ بتلایئے جس کا یہ اعتقاد ہو وہ مصائب میں کب پریشان ہوسکتا ہے۔ اور ملحد پر جب کوئی مصیبت آتی ہے تو اس کی پریشانی کی کوئی حد نہیں رہتی کیونکہ اس کو اسباب پر اعتماد تھا۔ اور اسباب اس کے مخالف ہوگئے تو اب اس کے پاس کوئی سہارا نہیں اور موحد کو خدا پر اعتماد ہے اور خدا کو وہ اپنا مخالف نہیں سمجھتا۔ بلکہ مولیٰ اور آقا سمجھتا ہے اُس کو اسباب کے مخالف ہوجانے پر بھی یہ امید ہے کہ شاید خدا تعالیٰ اسباب مخالفہ کو موافق بنادیں اور اگر اسباب مخالف ہی رہے اور اس کو ناکامیابی بھی ہوجائے۔ تب بھی وہ راضی ہے کیونکہ وہ جانتا ہے کہ خدا تعالیٰ کی طرف سے جو بات بھی آتی ہے اس میں خیر ہی ہوتی ہے پس اس صورت میں اگر دنیا کا ضرر ہوا تو میری آخرت کی ترقی ہوگی۔

قُلْ هَلْ تَرَبَّصُونَ بِنَآ إِلَّآ إِحْدَى ٱلْحُسْنَيَيْنِ ۖ (۳) موحد کے لیے مصائب میں بھی فائدہ ہی ہے اور وہ تکالیف سے بھی خوش ہوتا ہے۔ جیسے بچہ دودھ چھوٹنے کے وقت گو پریشان ہوتا ہے اور اس وقت اس کو بہت تکلیف ہوتی ہے مگر بعد میں ماں کو دعا دیتا ہے کہ

(۱) ایک دفعہ ہی (۲) التوبۃ: ۵۱ (۳) التوبۃ: ۵۲

جزاک اللہ کہ چشمم باز کردی مرا باجان جاں ہمراز کردی(۱)

وہ کہتا ہے کہ خدا اس ماں کا بھلا کرے جس نے دودھ چھڑا کر مجھے اس قابل کر دیا کہ آج میں پلاؤ زردہ قورمہ اور کباب کھا رہا ہوں۔ اگر دودھ ہی پیتا رہا تو یہ نفیس ولذیذ غذائیں کیونکر کھاتا۔ اسی طرح موحد کو مصیبت کے وقت گو ظاہر میں تکلیف ہوتی ہے مگر تکلیف کے بعد جب اپنی ترقی کا احساس ہوتا ہے تو وہ خوش ہو کر یوں کہتا ہے

ناخوش تو خوش بود برجان من دل فدائے یار دل رنجان من(۲)

اشتیاق عارف

اور موحد عارف کو تو عین مصیبت کے وقت اس کی حکمتیں اور اپنی ترقی محسوس ہوجاتی ہے اس لیے وہ تکلیف بھی لذیذ ہوجاتی ہے اور سب سے بڑھ کر مصیبت لوگوں کی نظر میں موت ہے۔ یہ منتہیٰ المصائب (۳) ہے کہ وہ تمام مصائب کا انتہائی درجہ ہے اور اسی کے اندیشہ سے آدمی تمام مصائب سے گھبراتا ہے مگر عارف موحد کے نزدیک یہ زہر کا پیالہ بھی شیریں ہے۔ وہ کہتا ہے۔

خرم آں روز کزیں منزل ویران بردم راحت جاں طلبم وزپئے جاناں بردم

نذر کردم کہ گر آید بسر ایں غم روزے تادر میکدہ شاداں وغزل خواں بردم(۴)

یعنی وہ تو موت کا مشتاق ہوتا ہے اور اس کے لیے نذریں مانتا ہے شاید کوئی کہے کہ یہ سارا اشتیاق موت سے پہلے ہی ہوگا۔ مرتے وقت تو نانی یاد آئی ہوگی۔ صاحبو! نہیں نہ ان کو نانی یاد آئی نہ دادی یاد آئی۔ بلکہ وہی ایک یاد رہا جس کے لیے موت کی تمنا کرتے تھے کون ایک؟ وہ ایک جس کے متعلق حضرت قلندر فرماتے ہیں۔

غیرت از چشم برم روئے تو دیدن ندہم گوش را نیز حدیث تو شنیدن ندہم(۵)

(۱) اللہ تجھے جزا دے میری آنکھیں تو نے کھول دیں اور مجھے محبوب کے ساتھ ہمراز بنا دیا'' (۲) ''تیری ناخوشی کی بات بھی مجھے اچھی لگتی ہے میرے دل کو رنجیدہ کرنے والے دوست پر میرا دل فدا ہے'' (۳) مصیبتوں کا انتہائی درجہ (۴) ''وہ دن اچھا ہوگ جب میں اس جگہ سے جاؤں گا جہاں سے راحت پا کر جاناں کی تلاش میں جاؤں گا میں نے نذر مانی ہے کہ اگر یہ غم ختم ہوگیا تو میں میکدے کے دروازے تک ناچتا ہوا جاؤں گا'' (۵) ''مجھے آنکھ پر رشک آتا ہے تمہارا چہرہ نہ دیکھنے دوں اور کان کو تیری بات نہ سننے دوں۔

ربیاید ملک الموت کہ جانم ببرو تانہ بینم رخ تو روح رمیدن ندہم (۱)
چیست توحید آنکہ از غیر خدا فرد آئی درخلا و در ملا
وقت آں آمد کہ من عریاں شوم جسم بگذارم سراسر جان شوم (۲)

کہ اب تو مدت کے بعد وہ وقت آیا کہ میں جسم سے مجرد ہوکر سرتا پا روح ہوکر حق تعالیٰ کی جناب میں پہنچوں گا اور اس قید خانہ ناسوت سے نجات پاؤں گا۔ تم روتے کس لیے ہو یہ تو خوشی کا وقت ہے مگر یہ عدم توحش موت (۱) سے وہ محمود ہے جو حق کی محبت سے ناشی ہو ورنہ بعضے ایسے متہور بھی ہیں جو باوجود معاصی میں مبتلا ہونے کے یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ ہم ایسے بہادر ہیں ویسے بہادر ہیں ہم جیل خانہ سے نہیں ڈرتے۔ ہم کو موت کا خوف نہیں سو چونکہ منشا اس کا محض اتباع نفس اور دعویٰ ہے اس لیے کوئی کمال نہیں بلکہ جرأت مذمومہ ہے (۲)۔ عارف کو موت کا اشتیاق ہوتا ہے مگر وہ ڈینگیں نہیں مارا کرتا۔ دعویٰ کرنا اور ڈینگیں مارنا اتباع نفس کی علامت ہے یہ کچھ کمال نہیں ایسے مشہور تو کفار میں بھی ہوتے ہیں۔ انکو بھی جیل خانہ کا خوف نہیں ہوتا نہ موت کا اندیشہ۔ مگر یہ سب حقیقت بینی سے (۳) پہلے ہی پہلے ہے۔ باقی جب موت کے فرشتے نظر آنے لگتے ہیں اس وقت ساری بہادری خاک میں مل جاتی ہے اگر یہ تہور (۴) بھی کچھ کمال ہے تو ایسے کافروں کو بھی صاحب کمال کہنا چاہیے جو کہ موت سے نہیں ڈرتے۔ پھانسی کے وقت بعض کفار نے جرأت ظاہر کی ہے۔

اتباع شریعت

معلوم ہوا کہ یہ تہور دینی کمال نہیں۔ بس دینی کمال یہ ہے کہ جہاں خدا کہے وہاں خوشی سے جان دو۔ ورنہ اپنی جان کو آرام دو۔ خدا کی مرضی کے موافق جب آدمی جان دیتا

(۱) ''جب ملک الموت میری روح نکالے گا جب تک آپ کا چہرہ نہ دیکھ لوں روح نہ نکلنے دوں گا۔ اور ایک بزرگ مرتے وقت جب کہ لوگ رو رہے تھے مگر وہ خوش ہوکر فرما رہے تھے'' (۲) ''توحید یہ ہے کہ خلوت وجلوت میں غیر اللہ سے قطع تعلق کرو وقت قریب آگیا ہے کہ میں بدن کے لباس سے ننگا ہوجاؤں گا جس کو چھوڑ کر سراپا جان ہوجاؤں گا'' (۱) موت سے گھبراہٹ نہ ہونا جب اچھا ہے کہ حق تعالیٰ کی محبت اس کا سبب ہو (۲) بری بہادری (۳) حقیقت کا علم ہونے سے قبل کا معاملہ ہے (۴) اکڑ۔

ہے تو اس کو عین موت کے وقت بھی راحت نصیب ہوتی ہے جس کے آثار مخفی نہیں رہتے (۱)۔ اس وقت دیندار اور متہور میں فرق ظاہر ہوجاتا ہے۔ کما قال الشاعر

اذا اشتبك الدموع على خدود تبين من بكى ممن تباكى (۲)

بہادری ہر موقعہ میں کمال نہیں اور جان دینا ہر وقت دین کا کام نہیں۔ بلکہ جس وقت خدا کا حکم ہو اس وقت جان دینا دین ہے۔ ورنہ اتباع نفس ہے اگر کسی موقع میں خدا تعالیٰ جان دینے سے منع کردیں اس وقت جان کی حفاظت فرض ہے۔ دیکھو شریعت نے ایک وقت میں نماز کو حرام کیا۔ اور پاخانہ میں جانا فرض کیا ہے۔ اس وقت نماز پڑھنے سے گناہ ہوگا اور پاخانہ میں جانے سے ثواب ہوگا اسے کہتے ہیں حکومت کہ بندہ کو اپنے حکم کا تابع بنایا ہے جب چاہا طاعت کو حرام کردیا اور نفس کی راحت دینے کو واجب کردیا۔ شاید تم اس مسئلہ کو نہ سمجھے ہو مگر فقہاء نے صاف تصریح کی ہے کہ تقاضائے بول وبراز کے وقت نماز پڑھنا مکروہ تحریمی ہے۔ اور پاخانہ پیشاب سے فراغت کرنا واجب ہے۔ اب جو عاشق ہیں وہ ہر وقت حکم کا اتباع کرتے ہیں۔ خواہش نفس کا اتباع نہیں کرتے۔ ایک وقت ان کا جی چاہتا ہے کہ نماز پڑھیں مگر شریعت حکم دیتی ہے کہ پاخانہ جاؤ تو وہ حکم شریعت کو نفس کی خواہش پر مقدم کریں گے گو اس میں ان کی جماعت فوت ہوجائے اور لوگ ملامت کریں مگر ان کو ملامت کی پرواہ نہیں ہوتی۔

عشق کا خاصہ

اسی طرح اگر کسی وقت بہادری کا جوش ہو اور دین کے لیے جان دینے کا تقاضا ہو مگر شریعت اجازت نہ دے تو وہ اپنے تقاضے کو روک لیں گے اور حکم شریعت کا اتباع کرکے جان کی حفاظت کریں گے۔ گو اس میں ان پر چاروں طرف سے ملامت ہو کہ بڑا بزدل ہے جان دینے سے ڈرتا ہے جیل خانہ جانے سے گھبراتا ہے مگر وہ اس کی پرواہ نہیں کرتے اور صاف کہتے ہیں۔

(۱) پوشیدہ (۲) ''جب آنسوؤں کی لڑیاں رخساروں پر بہتی ہیں اس وقت معلوم ہوجاتا ہے کہ کون سچ مچ رو رہا ہے۔ اور کون رونے کے لیے منہ بنا رہا ہے ۱۲ جامع)

گرچہ بدنامی ست نزد عاقلاں مانمی خواہیم ننگ ونام را(۱)

عشق کا خاصہ ہے کہ یہ سب سے پہلے ننگ وناموس کو پھونکتا ہے۔ عاشق کو بدنامی اور رسوائی کی پرواہ کبھی نہیں ہوتی۔ رضائے محبوب کے سامنے دیکھو اگر کوئی شخص ایک طوائف پر عاشق ہو اور وہ اس سے یہ کہے کہ میاں میں تم سے کچھ نہیں مانگتی بس یہ چاہتی ہوں کہ تم سب کپڑے اتار کر ایک لنگوٹی باندھ کر بازار کے بیچ میں سے نکل جاؤ تو اگر یہ عاشق ہے گو فاسق ہی ہو تو کر گزرے گا کیوں؟ اس لیے کہ عشق سے نخوت وناموس خاک میں مل جاتی ہے۔ اسی لیے مولانا فرماتے ہیں۔

شاد باش اے عشق وخوش سودائے ما اے طبیب جملہ علتہائے ما

اے دوائے نخوت وناموس ما اے تو افلاطون و جالینوس ما(۲)

جب ایک چڑیل کے حکم کے سامنے عاشق کو اپنی عزت وناموس کا خیال نہیں رہتا تو محبوب حقیقی کے عاشق کو اس کے احکام کے سامنے اپنی عزت وناموس کا خیال اور مخلوق کی ملامت وطعن کا خوف کیونکر ہوسکتا ہے۔

عشق مولی کے کم از لیلیٰ بود کوئے گشتن بہر او اولیٰ بود(۳)

صاحبو! دنیا کی گالیاں سننا آسان نہیں۔ ہر وقت ملامت وطعن کا تحمل سہل نہیں (۴) مگر یہ عشق وہ چیز ہے کہ اس سے سب احکام سہل ہوجاتے ہیں اور کوئی کام مشکل نہیں معلوم ہوتا۔ اس لیے میں کہا کرتا ہوں کہ نری عقل کافی نہیں عشق حاصل کرو۔ مگر اس کا یہ مطلب نہیں کہ عقل بیکار محض ہے۔ عقل کا کام مبادی تک پہنچانا ہے۔ آگے عشق کی ضرورت ہے وہاں عقل کا دخل نہیں۔ پس عقل کا کام اتنا ہے جتنا مشاطہ (۵) کا کام ہوتا ہے کہ وہ دولہا دلہن میں وصال کراتی ہے اور دلہن کو بنا سنوار کر تیار کر دیتی ہے۔

(۱) ''اگرچہ یہ عقلمندوں کے نزدیک بدنامی ہے لیکن ہم ننگ ونام کے سوا کچھ نہیں چاہتے'' (۲) ''اے عشق تو ایسا ہے کہ تیری بدولت خیالات درست ہوجاتے ہیں اور تجھ سے سب امراض کا علاج ہوجاتا ہے اے عشق تو ہمارے نخوت وناموس کی دوا ہے اور تو ہمارے لیے افلاطون وجالینوس ہے'' (۳) ''محبوب حقیقی کا عشق لیلیٰ سے کیا کم ہو اس کی گلیوں میں پھرنا اولیٰ اور بہتر ہے (۴) برداشت کرنا آسان نہیں (۵) میکپ کرنے والی۔

مگر وصال کے بعد الگ ہوجاتی ہے۔ اب اگر جھانکے تو جوتے کھائے گی۔

مقام محبوبیت

اسی طرح وصال کی ابتدائی مرحلہ تک تو عقل ساتھ رہتی ہی ہے مگر جب وصال شروع ہوگیا تو اس کے بعد عقل بیکار ہے۔ اب عشق ہی تنہا رہ جاتا ہے اب عقل کو کچھ دخل نہیں رہتا اور اس کو اسرار الٰہیہ میں گفتگو کرنے کا کچھ حق نہیں رہتا۔ بلکہ اُس پر ہاں یہ حق ہے کہ اپنے کو تابع بنادے جب عقل تابع ہوگی عشق کی تو لازم ہے کہ اہل عقل اتباع کریں اہل عشق کا۔ بلکہ اہل عشق کی شان بعض اوقات یہاں تک پہنچ جاتی ہے کہ ان کی غلطیاں بھی منقلب ہوجاتی ہیں صواب سے اور اسی کی طرف اشارہ ہے۔ اللھم ادر الحق معہ (۱)(ای مع علی) حیث دار حضور صلی اللہ علیہ وسلم حضرت علی کے لیے دعا فرماتے ہیں کہ اے اللہ حق کو علی کے ساتھ گھماتے رہیئے۔ جدھر وہ گھومیں بظاہر یہ دعا اس طرح ہونی چاہیے تھی اللھم ادر ہ مع الحق حیث دار یعنی اے اللہ! علی کو حق کے ساتھ گھماتے رہیے جدھر حق گھومے۔ مگر نہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ دعا فرمائی کہ حق کو علی کے ساتھ گھماتے رہیے یعنی جس طرح علی حق کے تابع ہیں اسی طرح حق کو علی کا تابع کردیجئے۔ اس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس مسئلہ پر تنبیہ فرمائی ہے کہ بعض لوگ ایسے محبوب ہوتے ہیں کہ محبوبیت کے مقام میں امر حق ان کا تابع ہوجاتا ہے کہ اگر وہ اجتہاد سے کسی غلط شق کو بھی اختیار کرلیتے ہیں۔ تو حق تعالیٰ اسی کو حق بنادیتے ہیں۔ جیسے ایک بزرگ کسی پر اجتہاد سے ناراض ہوں اور واقع میں وہ ناراضی بے جا ہو تو غیب سے سامان ایسا ہوجاتا ہے کہ اسی مجلس ناراضی میں اس شخص سے کوئی حرکت ایسی صادر ہوجاتی ہے جس سے وہ ناراضی صحیح ہوجاتی ہے۔

یا کسی شیخ نے مرید کے اندر مرض کبر وعجب تشخیص کیا۔ اور واقع میں یہ مرض اس کے اندر نہ تھا۔ اب اگر مرید نے شیخ کے قول کو بے چوں وچرا تسلیم کرلیا تب تو خیر وہ اس مرض سے محفوظ رہتا ہے کیونکہ شیخ کا بھی اس تشخیص سے مقصود یہی تھا کہ اس میں یہ مرض نہ رہے اور اگر اس نے شیخ کی تشخیص کو رد کیا اور اعتراض کیا تو حق تعالیٰ سامان ایسے

(۱) العلل المتناہیۃ: ۲۴۵

پیدا کردیتے ہیں جس سے اس میں وہ مرض پیدا ہو کہ شیخ کی تشخیص صحیح ہوجاتی ہے۔ تو ایسا شخص کیونکر قابل اتباع نہ رہے گا۔ یہ تقریر بہت طویل ہوگئی اصل میں میں یہ کہہ رہا تھا کہ احکام شرعیہ میں ہر اک کی رائے معتبر نہیں۔ اس پر یہ مضمون چل پڑا تھا کہ آزادی مطلق سے کبھی انتظام نہیں ہوسکتا۔ نہ دنیا کا نہ دین کا۔ بلکہ تابعیت ومتبوعیت ہی سے ہمیشہ انتظام درست ہوا ہے۔ اس لیے دین میں بھی بعض کو تابع اور بعض کو متبوع ہونا چاہیے ہر اک کی رائے کو دخل نہ ہونا چاہیے اس پر جمہوریت وشخصیت کی بحث درمیان میں آگئی کیونکہ جمہوریت والے آزادی کے مدعی ہیں میں نے بتلادیا کہ وہ بھی اس دعویٰ آزادی سے کسی نہ کسی وقت ہٹتے ہیں اور یہ ساری گفتگو اس پر شروع ہوئی تھی کہ میں نے کہا تھا کہ فقہاء وصوفیا نے اس قاعدہ کا ہمیشہ لحاظ کیا ہے کہ جو مباح مفضی الی المعصیۃ(۱) ہو اس سے بھی منع کردیتے ہیں اس پر میں نے بطور تنبیہ کے یہ کہا تھا کہ اس قاعدہ سے ہر شخص کو کام لینے کا حق نہیں کہ بس لگے مباحات کو حرام کرنے بلکہ یہ خاص محققین کا منصب ہے بہر حال مجاہدات حکمیہ میں جن چیزوں سے روکا جاتا ہے گو وہ فی نفسہ مباح ہیں مگر افضاء الی المعصیت کی وجہ سے صوفیہ نے ان کے ترک کی تاکید کی ہے۔ اور اس مجاہدہ حکمیہ کی چار قسمیں ہیں جن میں سے تین کا ذکر تو ہو چکا۔

منافع اختلاط

اب ایک قسم کا ذکر رہ گیا جو کہ قلت اختلاط مع الانام ہے(۲)۔ آج اس کے متعلق بیان کیا جاتا ہے یہ تو میں پہلے کہہ چکا ہوں کہ قلت کلام(۳) کی ضرورت فی نفسہ اس قلت اختلاف(۴) سے زیادہ ہے مگر قلت کلام عادۃً موقوف ہے قلت اختلاط(۵) پر کیونکہ لوگوں سے میل جول کرکے زبان کو سنبھالنا دشوار ہے اس لیے قلت کلام کی سہل صورت یہی ہے کہ مخلوق سے الگ رہے۔ گوشہ نشینی اختیار کرے کیونکہ مجمع کا قرب بھی اختلاط(۶) کی مثل ہے مجمع کے قرب سے بھی سکوت نہیں ہوسکتا۔ اس لیے صوفیہ نے

(۱) وہ جائز کام جو گناہ تک پہنچانے کا ذریعہ بن جائے اس سے بھی منع کیا ہے (۲) لوگوں سے میل جول کم رکھنا (۳) کم بولنا (۴) کم ملنے جلنے سے (۵) جب کم لوگوں سے ملے گا تو کم بولے گا (۶) میل جول کے مشابہ۔

عزلت (۱) کو اختیار کیا ہے اور اس کی بہت تاکید کی ہے البتہ سلف کے کلام کو دیکھ کر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ سلف میں مجاہدات کا یہ طرز نہ تھا جو متاخرین میں ہے گو اصل سب کی موجود ہے مگر ہیئت مختلف ہے اسی وجہ سے سلف کے کلام میں عزلت اور گوشہ نشینی کی تاکید بہت کم نظر آتی ہے۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ سلف میں عزلت کا وہ اہتمام نہ تھا جو متاخرین میں ہے بلکہ وہ اختلاط زیادہ کرتے تھے۔ اسی وجہ ان کے کلام میں منافع اختلاط (۲) کا زیادہ ذکر ہے چنانچہ وہ فرماتے ہیں کہ اختلاط میں ایک نفع تو یہ ہے کہ تعلیم وتعلم اسی پر موقوف ہے۔ عزلت سے تعلیم وتعلم کا باب مسدود (۳) ہوجائے گا دوسرے اختلاط میں خدمت خلق کا موقع ملتا ہے جو شخص سب سے منعزل ہوگا (۴)۔ وہ خدمت خلق کی فضیلت سے محروم رہے گا۔ تیسرے جماعت کی فضیلت اختلاط ہی سے حاصل ہوسکتی ہے جو شخص عزلت گزیں (۵) ہوگا وہ جماعت کے ثواب سے محروم رہے گا۔ چوتھا نفع اختلاط میں یہ ہے کہ اس سے تواضع پیدا ہوتی ہے جب آدمی مخلوق سے ملے گا تو بہت لوگوں کو اپنے سے افضل پائے گا تو اس شخص کی نظر اپنے اعمال پر کم ہوگی کیونکہ اپنے سے افضل کے اعمال کو دیکھ کر سمجھے گا کہ میں کرتا ہی کیا ہوں اللہ کے بعض بندے مجھ سے زیادہ عمل کرنے والے ہیں اور عزلت میں دوسروں کے اعمال تو پیش نظر ہوتے نہیں بس اپنے ہی اعمال پر نظر ہوتی ہے تو اس سے بعض دفعہ عجب وکبر پیدا ہوجاتا ہے پانچواں نفع یہ ہے کہ اختلاط میں بزرگان دین سے فیض حاصل ہوجاتا ہے بدون اختلاط کے بزرگوں سے فیض حاصل کرنا دشوار ہے۔ اس کے سوا اور بھی منافع اختلاط میں انہوں نے بتلائے ہیں۔

شرائط اختلاط

اب جو لوگ محقق نہیں ہیں وہ سلف کے کلام میں اختلاط کے یہ منافع دیکھ کر ایک غلطی میں مبتلا ہوگئے۔ وہ مطلقاً اختلاط کو عزلت (۶) پر ترجیح دینے لگے اور عزلت (۷) کی مذمت کرنے لگے۔ پھر حالت یہ ہوئی کہ یہ لوگ مخلوق سے اختلاط حظ نفس (۸) کے لیے

(۱) گوشہ نشینی (۲) میل جول کے فائدے (۳) سیکھنے سکھانے کا دروازہ بند ہوتا ہے (۴) الگ تھلگ رہے گا (۵) تنہائی میں رہے گا (۶) میل جول کو تنہائی پر ترجیح دینے لگے (۷) تنہائی کی (۸) میل جول نفس کی لذت کے لیے کرتے ہیں۔

کرتے ہیں اور تمسک (۱) بزرگوں کے اقوال سے کرتے ہیں یہ نہ دیکھا کہ جس اختلاط کے یہ فضائل سلف نے بیان کئے ہیں۔ وہ کون سا اختلاط ہے؟ کیا یہ وہ اختلاط ہے جس میں تم مبتلا ہو جس سے حظ نفس کے سوا کچھ مقصود نہیں۔ نہ غیبت سے احتراز ہے نہ کذب وزور (۲) سے نہ لایعنی باتوں (۳) سے پرہیز ہے۔ نہ فضول بک بک سے اس حالت میں بزرگوں کے اقوال وافعال سے ان کا تمسک کرنا ایسا ہے جیسے کوئی شخص طبیب کو سنکھیا کے منافع بیان کرتے ہوئے دیکھ کر خود سنکھیا کھانے لگا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ میاں کھاتے ہی مرگئے۔ یا کسی مریض نے طبیب کو ایک قوی غذا کھاتے ہوئے دیکھا مریض اس کو دیکھ کر خود بھی کھانے لگے۔ انجام یہ ہوا میاں مرنے کے قریب ہوگئے کیونکہ طبیب نے جو سنکھیا کے منافع بیان کئے تھے اس میں کچھ شرائط وقیود بھی تھیں کہ بدرقہ (۴) کے ساتھ استعمال کیا جائے پہلے اس کو مدبر (۵) کیا جائے اس شخص کو ان قیود کی تو خبر نہ تھی۔ لگا ویسے ہی استعمال کرنے تو اب بجز ہلاکت کے کیا نتیجہ ہوگا یا طبیب کو جو قوی غذا کھاتے ہوئے دیکھا تھا اس کے لیے معدہ کا تندرست ہونا شرط تھا اور مریض کا معدہ تندرست نہ تھا اس نے اپنے کو طبیب پر قیاس کرکے وہ چیز کھالی ظاہر ہے کہ اس کو ضرر (۶) ہوگا۔ اسی طرح جس اختلاط کے (۷) منافع بزرگوں نے بیان کئے ہیں اس کے لیے غوائل نفس (۸) سے مامون (۹) ہونا شرط ہے اور تمہارے اندر یہ شرط مفقود ہے (۱۰)۔ پس تم کو اس باب میں ان کے قوال سے تمسک کرنے کا حق نہیں کسی نے خوب کہا ہے۔

تو صاحب نفسی اے غافل میاں خاک وخوں میخور
کہ صاحب دل اگر زہرے خورد آں انگبیں باشد(۱۱)

اسی لیے نیم ملاخطرہ ایمان ہوتا ہے

عورت کی چالاکی

جیسے عالمگیر کے دربار میں ایک عورت کا مقدمہ پیش ہوا جس نے چار نکاح کر

(۱) دلیل (۲) جھوٹ (۳) بیکار باتوں سے (۴) سنکھیا ایسی دواء کے ساتھ ملا کر کھائیں جو اس کے ہضم میں معاون ہو اس کے زہریلے اثر کو ختم کردے (۵) پہلے اس کے زہریلے اثر کو ختم کرنے کی تدبیر کرلی جائے (۶) نقصان (۷) میل جول (۸) نفس کی شرارتوں (۹) محفوظ ہونا (۱۰) پائی نہیں جاتی (۱۱) ”تو جی دار آدمی ہے غافل خاک وخون نہ کھا کہ صاحب دل تو زہر بھی کھالے شہد بن جاتا ہے“

رکھے تھے اور ایک خاوند کو دوسرے کی اطلاع نہ تھی ظالم نے ہر ایک سے یہ شرط کر رکھی ہوگی کہ میں سال میں تین مہینہ تمہارے گھر رہوں گی اور نو مہینہ اپنے گھر رہوں گی اور تین مہینہ کے بعد وہ دوسرے خاوند کے پاس رہتی اس سے بھی غالباً یہی شرط تھی پھر تین مہینہ کے بعد تیسرے خاوند کے پاس رہتی۔ ان میں ہر اک یہ سمجھتا تھا کہ شرط کے موافق نو مہینے اپنے گھر رہنے گئی ہے۔ یہ خبر کسی کو نہ تھی کہ یہ اس مدت میں اپنے دوسرے آشناؤں کے پاس جاتی ہے۔ دہلی بڑا شہر ہے وہاں ایسے واقعات کا مخفی[1] رہ جانا کچھ دشوار نہیں۔ مگر کب تک آخر کو بھانڈا پھوٹا۔ اور عالمگیر کے دربار میں یہ واقعہ پیش ہوا۔

اکبر و عالمگیر کی حکومتوں کی مثال

عالمگیر کا زمانہ ایسا نہ تھا جیسا آج کل کا زمانہ ہے کہ رضامندی کے ساتھ زنا پر کوئی مواخذہ ہی نہیں۔ خیر غیر مسلم ایسا قانون مقرر کریں تو کچھ زیادہ تعجب نہیں۔ افسوس یہ ہے کہ آج کل بعض مسلمانوں کی بھی یہی رائے ہے۔ چنانچہ رڑکی میں چند مسلمانوں کا ایک مجمع ہوا تھا جس میں یہ رائے پیش ہو رہی تھی کہ نکاح کی کیا ضرورت ہے خواہ مخواہ کی قید ہے۔ بس جس کو جو عورت پسند آئے وہ اس کو اپنے پاس رضامندی سے رکھ لے۔ جب دوسری پسند آئے پہلی کو الگ کر کے دوسری کو رکھ لے۔ اسی طرح اپنی خواہش کو پورا کر لینا چاہیے جس میں طرفین کو آزادی ہے کوئی کسی کا پابند نہیں نہ کسی قسم کی قید ہے۔ آج کل مسلمانوں میں بھی یہ رائے رکھنے والے موجود ہیں۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ مگر عالمگیر اس خیال کے مسلمان نہ تھے وہ نہایت پابند شریعت تھے لوگ کہتے ہیں کہ سلطنت کا زوال عالمگیر سے ہوا کہ تمام راجاؤں کو اپنا مخالف بنالیا۔ رعایا کو بددل کر دیا۔ مگر میں کہتا ہوں کہ سلطنت کا زوال عالمگیر سے نہیں ہوا بلکہ اکبر نے اس کو زائل کیا ہے۔ اس نے غیر قوموں کو سلطنت میں دخیل کار بنا کر ان کے ہاتھوں میں سلطنت کی باگ دیدی تھی۔ اگر غیر قوموں کا یہی اقتدار باقی رہتا تو ایک نہ ایک دن سلطنت پر ضرور زوال آتا۔ عالمگیر نے اس کی اصلاح کرنا چاہی تھی۔ اور غیر قوموں کے اقتدار کو کم کرنا چاہا تھا۔ اگر

(۱) چھپے رہنا۔

سب مسلمان اس میں ان کا ساتھ دیتے تو سلطنت کی بنیاد مستحکم ہوجاتی مگر افسوس مسلمانوں ہی نے اس میں مخالفت کی اور عالمگیر کا ساتھ نہ دیا۔ اس لیے ہندوؤں کی بغاوت کو ترقی ہوگئی تو بتلایئے اس میں عالمگیر کی کیا خطا ہے قصور اس شخص کا ہے جس نے سلطنت میں غیروں کو دخل دیا۔ دیکھئے اگر کوئی شخص کسی کو سوئی کھلا دے اور وہ پیٹ میں جا کر زخم ڈالدے اور ایک ڈاکٹر سوئی نکالنے کے لیے اس کا آپریشن کرے اور اپریشن کر کے پیٹ میں ٹانکے لگا دے مگر اس شخص کی انگڑائی لینے سے ٹانکے ٹوٹ جائیں جس کے صدمہ سے وہ ہلاک ہوجائے تو آپ کیا کہیں گے کیا یہ کہیں گے کہ ڈاکٹر نے اس کو ہلاک کیا یا یہ کہیں گے کہ سوئی کھلانے والے نے ہلاک کیا۔ یقیناً ہر عاقل سوئی کھلانے والے کو قاتل کہے گا۔ ڈاکٹر کی خطا کوئی نہ بتلائے گا۔ اس بیچارہ نے تو صحت کی تدبیر کی تھی۔ اگر وہ اپریشن نہ کرتا جب بھی سوئی کے پیٹ میں ہونے سے وہ ضرور ہلاک ہوتا اور اپریشن کے بعد ٹانکے نہ ٹوٹتے تو ساری عمر کے لیے صحت ہوچکی تھی۔ اس نے تو احسان کیا تھا مگر اس کی انگڑائی سے نقصان ہوگیا یہی حال اکبر و عالمگیر کا ہے۔ اکبر نے سلطنت کے پیٹ میں ایک سوئی چبھادی تھی جس سے ناسور پڑ گیا تھا عالمگیر نے شریعت کی طب پڑھی تھی اس نے شریعت کے موافق آپریشن کر کے ناسور کو صاف کیا تھا پھر ٹانکے لگا دیئے مگر مسلمانوں کی مخالفت نے ٹانکوں کو توڑ دیا۔ اس لیے سلطنت پر زوال آیا۔ اگر سب متفق ہوکر عالمگیر کا ساتھ دیتے تو زوال کی کوئی وجہ نہ تھی۔

نیم ملاخطرہ ایمان

یہ تو جملہ معترضہ تھا بہرحال مقدمہ پیش ہوا اور وہ عورت طلب کی گئی ایک طالب علم نے اس عورت سے کچھ رقم لینا کی اور رہائی کی تدبیر بتلائی کہ تو یہ کہہ دینا کہ میں نے ایک مولوی صاحب کو وعظ میں یہ کہتے ہوئے سنا تھا کہ لوگ فضول حرام کاری کرتے ہیں۔ خدا تعالیٰ نے تو چار نکاح تک کی اجازت دی ہے۔ اور اگر یہ دریافت کیا جائے کہ مولوی صاحب نے یہ اجازت مردوں کے لیے بیان کی تھی یا عورتوں کے لیے تو کہہ دینا کہ بس میں نے اتنا ہی سنا تھا کہ پھر میں ساگ لینے چلی گئی۔ میں نے تو اس اجازت کو عام ہی سمجھا تھا۔ تو جیسے یہ طالب علم نیم ملاخطرۂ ایمان تھا اس نے چار نکاحوں کی اجازت کو عام کر دیا ایسے ہی وہ لوگ بھی نیم ملا ہیں جو اختلاط کے منافع کو عام کرتے ہیں اور بزرگوں کے اقوال میں منافع اختلاط

کا ذکر دیکھ کر اپنے نفسانی اختلاط کو اس میں داخل کرتے ہیں۔ حالانکہ اختلاط زہر ہے۔

قیاس بے جا

اور سنکھیا کھانے کا طبیب ہی کو حق ہے کیونکہ اس کے پاس تریاق (۱) بھی ہے تم کو یہ حق نہیں تم اپنے کو اس پر قیاس نہ کرو۔ مولانا فرماتے ہیں۔

لقمۂ ونکتہ است کامل را حلال تو نئی کامل مخوری باش لال (۲)

یعنی بعض غذائیں ایسی ہیں جو کامل کے لیے حلال ہیں۔ تمہارے واسطے حلال نہیں تم ان کو نہ کھاؤ ایک جگہ دونوں میں فرق بتلاتے ہیں۔

ایں خورد گرد وپلیدی زوجدا واں خورد گرد ہمہ نور خدا (۳)

تم کھاؤ گے تو نتیجہ یہ ہوگا کہ وہ ساری غذا گندگی بن جائے گی۔ اور کامل کھاتا ہے تو سب کا سب نور بن جاتا ہے۔ مجھے اس شعر پر شبہ ہوا تھا کہ اس کا کیا مطلب ہے کیا بزرگوں کا پاخانہ نہیں ہوتا جیسے ہمارے یہاں لوگ ایک بزرگ کو حضرت حضرت کہتے تھے۔ تو ایک بڑھیا ہمارے گھر میں آکر کہنے لگی کہ اے بہو لوگ فلانے کو حضرت حضرت کہتے ہیں میں یوں پوچھوں کہ حضرت کہیں ہگا (۴) بھی کریں ہیں۔ تو اس بڑھیا کے نزدیک حضرت بننے کے لیے یہ شرط تھی کہ ہگا نہ کریں تو مجھے حیرت تھی کہ کیا اس شعر کا بھی وہی مطلب ہے جو اس بڑھیا کا اعتقاد تھا۔ پھر ہم حضرت حاجی صاحب کے پاس سبق پڑھنے کے لیے گئے تو حضرت نے فرمایا۔

ایں خورد گرد و پلیدی زوجدا واں خورد گرد ہمہ نور خدا (۵)

یعنی اخلاق رذیلہ پیدا شوند (۶) یعنی اخلاق حمیدہ ہویدا گردند

اب معلوم ہوا کہ یہ مطلب نہیں کہ بزرگوں کو پاخانہ نہیں ہوتا بلکہ مطلب یہ ہے کہ ناقص ایک غذا کو کھاتا ہے تو اس میں اخلاق رذیلہ پیدا ہوتے ہیں اور کامل اسی کو

(۱) زہر کا توڑ (۲) ''یہ کھاتا ہے تو پلیدی اور گندگی باہر نکلتی ہے اور وہ کھاتا ہے تو اس سے سب نورِ خدا بنتا ہے'' (۳) کہیں پاخانہ بھی کرتے ہیں (۴) ''یہ کھاتا ہے تو پلیدی اور گندگی باہر نکلتی ہے اور وہ کھاتا ہے تو اس سے سب نورِ خدا بنتا ہے'' (۵) اس غذا کھانے سے برے اخلاق پیدا ہوتے ہیں (۶) وہی غذا وہ کھائے تو اچھے اخلاق پیدا ہوتے ہیں۔

کھاتا ہے تو اس میں اخلاق حمیدہ ظاہر ہوتے ہیں۔ یہ فرق ہے تمہارے کھانے میں اور بزرگوں کے کھانے میں اسی طرح مجھے مثنوی کے ایک اور شعر پر اشکال ہوا تھا مولانا نے اول ایک تمثیل کے ضمن میں مسئلہ وحدۃ الوجود کی طرف اشارہ فرمایا ہے چنانچہ کہتے ہیں۔

ماہمہ شیراں ولے شیر علم حملہ شاں از باد باشد دمبدم

کہ ہم بھی ظاہر میں شیر معلوم ہوتے ہیں مگر ہم ایسے شیر ہیں جیسے جھنڈے پر شیر کی تصویر بنی ہوتی ہے کہ جب ہوا سے جھنڈا ہلتا ہے تو ایسا معلوم ہوتا ہے گویا شیر حملہ کررہا ہے اس کے بعد فرماتے ہیں۔

حملہ شاں پیدا وناپید است باد انچہ ناپیدا ست ہرگز کم مباد

یعنی شیر علم (۱) کا حملہ تو ظاہر ہوتا ہے اور ہوا مخفی (۲) ہوتی ہے اور حقیقت میں اس حملہ کا ظہور اسی سے ہورہا ہے اسی طرح ہم لوگ ظاہر میں فاعل مختار معلوم ہوتے ہیں مگر ہم کو جو حرکت دے رہا ہے وہ مخفی ہے یعنی حق تعالیٰ تو ناپیدا سے مراد یہاں حق تعالیٰ ہیں۔

ضرورت محقق

اب آگے فرماتے ہیں کہ وہ جو ناپیدا ہے خدا کرے وہ کم نہ ہو۔ تو میں یہ سمجھا کہ اس میں ظاہراً تو خدا تعالیٰ کو دعا دینا لازم آتا ہے کہ ان کے کمالات میں کمی نہ آوے تو مجھے حیرت تھی کہ خدا تعالیٰ کو یہ دعا کیسی یہ تو ویسی ہی دعا ہوئی جیسے کانپور میں جاہل عورتیں حق تعالیٰ کی سلامتی گایا کرتی ہیں۔ بعضی خاص رات ہوتی ہے جس میں رت جگا کرتی ہیں۔ اس میں یہ فرقہ خدا تعالیٰ کی سلامتی منایا کرتا ہے۔ مگر چونکہ وہ محبت میں یہ مضمون گاتی ہیں اس لیے شاید مواخذہ بھی نہ ہو۔

نوٹ: اس وعظ کا بقیہ حصہ اگلے شمارے میں چھپے گا جس کی ابتدا اس عنوان سے ہورہی ہے (جہلاء کی حکایت)۔

أخبار الجامعة

ماہ فروری 2023ء

❁ 21 جنوری 2023ء: حضرت مولانا قاری احمد میاں تھانوی مدظلہ العالی دارالعلوم کراچی بعد نماز مغرب پہنچے طلباء علوم القراءات کو الشاطبیہ کی تکمیل فرمائی اور فضلاء دورۂ حدیث سے ملاقات میں اُن کی راہنمائی فرمائی۔

❁ 22 جنوری معہد الخلیل کراچی میں صبح تقریب تکمیل حفظ القرآن الکریم اور رات کو تکمیل بخاری شریف کی تقریب میں شرکت فرمائی۔

❁ 23 جنوری مدرسہ انوار الصحابہ کراچی کی تقریب تکمیل بخاری شریف میں شرکت فرمائی۔

❁ 25 جنوری مدرسہ بیت النور لاہور تکمیل حفظ القرآن الکریم کی تقریب میں شرکت فرمائی۔

❁ 26 جنوری جامعہ عبداللہ بن مسعودؓ مرغزار کالونی لاہور محفل حسنِ قراءۃ وتقریب حفظ القرآن الکریم میں تلاوتِ قرآن کے بعد کامیاب طلباء کو انعامات سے نوازا۔

❁ 28 جنوری دن 10 بجے جامعہ دارالعلوم الاسلامیہ لاہور میں مشاورتی اجلاس ہوا جس میں قومی مسابقہ حفظ منعقدہ 30 جنوری فیصل مسجد اسلام آباد کے پروگرام کے لیے انتظامات کی ترتیب وتشکیل دی گئی۔

❁ 28 جنوری رات وفاق المدارس العربیہ پاکستان ملتان میں امتحانی کمیٹی کے اجلاس میں شرکت فرما کر قیمتی آراء سے نوازا۔

❁ 29 جنوری شام کو فیصل مسجد اسلام آباد پہنچ کر قومی مسابقہ حفظ کے انتظامات کو حتمی ترتیب دی۔

❁ 30 جنوری بعد نماز ظہر تا عشاء قومی مسابقہ حفظ (وفاق المدارس العربیہ پاکستان)

کی مکمل سرپرستی ونگرانی فرمائی جس میں ملک پاکستان کے 3500 طلباء میں سے 16 طلباء کے مابین مسابقہ حفظ ہوا، پوزیشن ہولڈر کے ناموں کا اعلان کنوینئر مسابقہ جات مولانا ڈاکٹر قاری احمد میاں تھانوی مدظلہ (مہتمم جامعہ ہٰذا) نے کیا۔

اول: حافظ محمد اظہار بن جان محمد دارالعلوم مدنیہ مالاکنڈ۔

دوم: حافظ محمد علی بن عبدالواحد مدرسہ علوم القرآن مردان

سوم: حافظ حارث احمد بن مثقال الدین جامعہ سراجیہ منظور کالونی کراچی تینوں پوزیشن ہولڈرز طلباء اور اُن کے استاذ کو بالترتیب ڈیڑھ لاکھ، سوا لاکھ، ایک لاکھ روپے وفاق المدارس کی طرف سے نقد انعام دیا گیا۔ باقی 13 شرکاء مسابقہ کو بھی وفاق المدارس کی طرف سے شیلڈز، کتب و 10000 نقد انعامات سے نوازا گیا، تقسیم انعامات کے موقع پر قائد جمعیت علماء اسلام مولانا فضل الرحمن صاحب وناظم اعلیٰ وفاق المدارس مولانا قاری محمد حنیف جالندھری صاحب نے خطاب فرمایا اور صدر وفاق المدارس شیخ الاسلام مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب نے بذریعہ آڈیو مسابقہ حفظ کی اہمیت وافادیت پر خاص توجہ دلائی اور کامیاب انعقاد پر مولانا قاری احمد میاں تھانوی اور اُن کے رفقاء اور ملک بھر کے تمام مدارس وفاق کے مہتممین وطلباء کو مبارک باد دی۔

❁ 2 فروری: بیت النور لاہور تقریب تکمیل بخاری شریف میں حضرت مہتمم صاحب نے تلاوت فرمائی۔

❁ 4 فروری: مانسہرہ عرفان العلوم تقریب تکمیل حفظ القرآن الکریم میں شرکت فرمائی۔

❁ 5 فروری: مدرسہ خاتم المرسلین E بلاک جوہر ٹاؤن کے مسابقہ حسن قراءۃ کے کامیاب طلباء کو انعامات سے نوازا۔

❁ 8 فروری: فاضل جامعہ ہٰذا مولانا قاری محمد عثمان کے مدرسہ لکی مروت میں

محفل حسن قراءۃ میں تلاوت اور مدرسہ کے کامیاب طلباء کو انعامات سے نوازا۔

❁ 9 فروری: کرک مدرسہ تجوید القرآن قاری مومن شاہ صاحب کی دعوت پر محفل قراءۃ میں شرکت فرمائی۔

❁ 10 فروری: اپنے بیٹے حافظ حسان احمد تھانوی کی تقریب نکاح میں شرکت فرمائی۔

❁ 11 فروری: مدرسہ اشرف العلوم گوجرانوالہ صبح 9 تا 12:30 روایت حفصؒ وقراءاتِ سبعہ کے طلباء کا امتحان لیا۔ بعد ظہر کوٹ عبدالمالک مدرسہ الرحمت میں 7 مدارس کے طلباء کے مابین مسابقہ حفظ ہوا، تلاوت کے بعد پوزیشن ہولڈرز کو انعامات سے نوازا بعد مغرب بیت النور لاہور مسابقہ حفظ کی ججمنٹ فرمائی۔

❁ 12 فروری: جامعہ دارالعلوم الاسلامیہ لاہور روایت حفصؒ وقراءات سبعہ وثلٰثہ وتخصص فی القراءات کے طلباء کو آخری سبق پڑھا کر تکمیل فرمائی اس کے بعد بخاری شریف کا آخری سبق مولانا ڈاکٹر خلیل احمد تھانوی صاحب (نائب مہتمم جامعہ ہٰذا) نے پڑھا کر تکمیل فرمائی تقریب کے آخر میں مولانا مفتی عبدالقدوس ترمذی صاحب مہتمم جامعہ حقانیہ ساہیوال نے خصوصی خطاب فرمایا اور جامعہ کے تمام درجات کے کامیاب طلباء کو انعامی کتب سے نوازا گیا۔

❁ 14 فروری: حضرت مہتمم صاحب بیرون ملک 5 روزہ مسقط کا سفر فرمایا اپنے قریبی دوست جناب الشیخ عبدالحمید آدم مدیر ادارہ تحفیظ القرآن کے بیٹے کی تقریب نکاح میں شرکت فرمائی جہاں الشیخ احمد عیسیٰ المعصر اوی رئیس لجنۃ المصحف الأمّۃ ودیگر عالم اسلام کی ممتاز شخصیات سے خصوصی ملاقاتیں ہوئیں۔

❁ 16 فروری: الشیخ عبدالحمید آدم نے قاری احمد میاں تھانوی کے اعزاز میں الگ خصوصی تقریب منعقد کی قاری صاحب کی تلاوت کے بعد علاقہ کے معززین وممتاز شخصیات نے علوم القرآن پر آپ کی گراں قدر خدمات کو خراجِ تحسین پیش کیا۔